اللہ رے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ
نفیسؔ

جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ لاہور

نفیس

بیاد
عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ مدنیہ جدید

جلد نمبر ۱۱
سنہ 2003ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ - ستمبر ۲۰۰۳ء شمارہ : ۹

مدیر اعلیٰ

سیّد محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے	سالانہ	۱۵۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی	〃	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	〃	۶ امریکی ڈالر
امریکہ، افریقہ	〃	۱۶ ڈالر
برطانیہ	〃	۲۰ ڈالر

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ـــــ سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ـــــ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

پوسٹ کوڈ : 54000 موبائل : 0333 4249301

فون : 7724581 فون/فیکس : 92 42-7726702

E-mail : jmj786_56@hotmail com

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرف آغاز ______ ۳

درسِ حدیث ______ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب ______ ۵

حضرت مولانا سید محمد میاںؒ ______ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب ______ ۹

رسالہ فخر الحسن ______ حضرت مولانا فخر الدین الدھلویؒ ______ ۲۶

فہم حدیث ______ حضرت مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب ______ ۳۶

اکمالِ دین ______ حضرت مولانا منیر احمد صاحب ______ ۴۲

آپ کے دینی مسائل ______ ۵۰

حاصل مطالعہ ______ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ______ ۵۴

☆

جامعہ مدنیہ جدید کا موبائل

0333-4249301

☆

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

jmj786_56@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

کافی عرصہ سے اخبارات میں فوجی حکمرانوں اور ملک کے مذہبی اور سیاسی حلقوں کے مابین پاکستانی فوج کو عراق بھیجنے کے مسئلہ پر لے دے چل رہی ہے فوجی حکمران امریکہ نوازی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ افغانستان کے بعد عراق میں امریکی افواج کی اسلام اور مسلمان دُشمن اعلانیہ خونی کارروائیوں کے باوجود صلیبیوں سے احتجاج تو درکنار اُن کی منشاء سے معمولی سی پہلو تہی پر بھی تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ عراق میں امریکی اور برطانوی افواج صلیبی اور صیہونی عزائم لے کر حملہ آور ہوئی ہیں اور اپنے مذموم عزائم کی تکمیل سے پہلے واپسی کو وہ اپنے لیے شکست تصور کرتی ہیں، اسی شکست سے بچنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ مسلم ممالک کی افواج کو قیامِ امن کے نام پر اپنا شریکِ کار بنانا چاہتے ہیں تاکہ مسلم افواج سے اپنے لیے ڈھال کا کام بھی لے لیا جائے اور مسلمان کو مسلمان سے ٹکرا بھی دیا جائے اور یوں دونوں طرف سے بہنے والا خون مسلمان ہی کا ہو اور مفادات عیسائی اور یہودی حاصل کریں۔

کفار کی اس قسم کی چالیں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قدیم سے حق کے خلاف اُن کی چالبازیاں اسی قسم کی ہوتی ہیں فرق یہ ہے کہ پہلے مسلمان زندہ تھا اس کی سوچ زندہ تھی مذہب سے وفاداری زندہ تھی ایمانی غیرت زندہ تھی وہ حق و باطل کی خوب تمیز رکھتا تھا اس لیے خود بخود کفر مرعوب و مغلوب تھا وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتا تھا مگر آج کا مسلمان بدل چکا ہے وہ کفر کے فریب میں پھنس چکا ہے اس فریب سے نکلنا بظاہر اس کے بس کی بات دکھائی نہیں دیتا اس لیے کہ اپنی ''خود فریبی'' پر وہ ''دِل گرفتہ'' ہونے کے بجائے خود کو ''فاتح'' تصور کرتا ہے ''شکست'' کو ''فتح'' قرار دینے والے قوم وملت

کے قائد قرار پا چکے ہیں اس سے زیادہ ''پستی''، مسلم قوم نے شاید اس سے پہلے نہ دیکھی ہوگی۔

مگر ہم پھر بھی حق بات کہنا اپنا فرض سمجھتے ہوئے فوجی حکمرانوں کو ایک بار پھر خبردار کرتے ہیں کہ افواجِ پاکستان کو اس موقع پر عراق بھیجنا ''فعلِ کفر'' ہے اس صورت میں دنیا کی بربادی کے ساتھ ساتھ آخرت کی بربادی کا قوی امکان ہے پاکستان کے جو فوجی وہاں سے زندہ واپس آئیں گے بقیہ زندگی ذلت کے ساتھ گزاریں گے اُن کے عزیز و اقارب اُن کی برادری اُن کو ذلت کی نگاہ سے دیکھے گی وہ اپنے خاندان کے واسطہ ہمیشہ کے لیے ننگ و عار کی علامت بن جائیں گے اور جو فوجی مارے جائیں گے وہ کفر کی حمایت میں مسلمان کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جائیں گے اس لیے وہ حرام موت مریں گے۔ کوئی اُن کو کفن دینا اُن کی نمازِ جنازہ پڑھانا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اگر دفن کربھی دیا تو بعد میں علم ہونے پر مسلمان اُن کی قبروں کو اکھاڑ کر اُن کی لاشوں کو باہر نکال پھینکیں گے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کو لوگ ''تھوتھو'' کریں گے غرض دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔ علماء برسراقتدار ہوتے تو ایسا ہرگز نہ ہونے دیتے مگر جہاں تک بس ہے اپنے مسلمان بھائیوں کو تباہی سے بچانے کے لیے حق بات کا اظہار کر کے اپنا فرض ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اس لیے تحریر و تقریر ہر موقع پر بار بار حق بات کی طرف دعوت اور برائی سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ عالمِ اسلام کے قائدین کو ایمانی غیرت اور عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

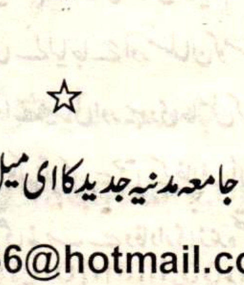

☆

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

jmj786_56@hotmail.com

مولای صل وسلم دائما ابدا — درس حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلہم

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدس ؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس ؒ کے اس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے ۔ (آمین)

فضیلت حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما
ہدایا کے بارے میں صحابہ کرام ؓ کی موقع شناسی

تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۱ سائیڈ اے / ۸۴-۱۰-۱۹

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ جو سوکنوں والا معاملہ جو مجھے محسوس ہوا ہے اپنے ذہن میں وہ اتنا کسی سے محسوس نہیں ہوا جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا ہے مَاغِرْتُ علی احدٍ من نساءِ النبی ﷺ مَاغِرْتُ علی خدیجة ۔فرماتی ہیں وما رأیتھا حالانکہ میں نے اُن کو دیکھا ہی نہیں تھا لیکن بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُن کا اتنا زیادہ ذکر کرتے تھے کہ ذہن میں ایک طرح کا جیسے سوکنوں والا خیال ہوتا ہے وہ اُبھرتا تھا اور آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ بکری ذبح کی اور پھر اُس کے ٹکڑے کیے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں بھیج دیئے فی صَدَائِقِ خدیجة.

حضرت عائشہ ؓ کی غیرت :

پھر تو ایسے بھی ہوا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک آدھ دفعہ یہ کہا کہ جیسے کہ دُنیا میں وہی ایک عورت تھیں کانه لم تکن فی الدنیا امرأة الا خدیجة دنیا میں سوائے اُن کے کوئی عورت ہی نہیں ہے تو آپ ارشاد فرماتے تھے انھا کانت و کانت و کان لی منھا وُلْدٌ وہ جو تھیں وہی تھیں اور اللہ نے اُن سے مجھے اولاد بھی دی تھی تو آقائے نامدار ﷺ نے جو یہ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اس طرح اُن کو یاد فرمایا دونوں باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام بہت بلند تھا اس اعتبار سے بھی کہ انھوں نے اسلام کے بالکل ابتدا میں اسلام قبول کرلیا

اور وہ اس پر قائم رہیں۔ اسلام کی خدمت بھی کی اور اس اعتبار سے بھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو وہ بہت پسند تھیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے اُن کو سلام بھیجا گیا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا تو یہ باتیں فضیلت کی اُن میں جمع ہوگئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا :

دوسرے درجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا ہے اور صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی ترتیب ایسی رکھی کہ اُن کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **یا عائشة هذا جبرئیل یقرئک السلام** یہ جبرئیل ہیں تمہیں سلام کہلا رہے ہیں۔ **قالت وعلیه السلام** جواب دیا انھوں نے **وعلیه السلام ورحمة الله۔ قالت وهو یری مالا اری** حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ فرشتہ دیکھتا ہے جو میں نہیں دیکھتی وہ مجھے نظر نہیں آرہا ہاں وہ مجھے دیکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بقیہ تمام ازواج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ تعلق تھا۔

حضرت عائشہؓ کی باری، لوگوں کا رویہ، اس کی وجہ :

فرماتی ہیں کہ لوگ محسوس کرتے تھے اس بات کو تو جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس ہوتے تھے تو لوگ چاہتے تھے کہ ہدیہ اسی دن پیش کریں **یَبْتَغُوْنَ بذلک مَرْضَاةَ رسولِ الله** ﷺ منشاء اُن کا یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ آج کے دن زیادہ خوش ہوں گے۔

ازواجِ مطہرات کی دو جماعتیں :

وہ فرماتی ہیں اب ہوا یہ کہ **کُنَّ حزبین** ازواجِ مطہرات جو تھیں وہ دو حصوں میں بٹ گئیں تھیں ایک جماعت بن گئی جن میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودا تھیں اور دوسری جماعت جو تھی اِن کی وہ حضرت اُمِ سلمہ اور باقی سب ازواجِ مطہرات تھیں، اب حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا مقام ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُن سے جب شادی کی ہے تو آپ نے جب شادی کا پیغام بھیجا تو وہ بیوہ تھیں آپ نے جب شادی کا پیغام بھیجا تو اُنھوں نے کہا کہ ایک تو یہ ہے کہ میرے ساتھ بچے ہیں۔

سوکن کی برداشت :

دوسرے یہ کہ میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ سوکن نہ ہو، سوکن کو برداشت میری طبیعت نہیں کرتی تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے لیے میں دُعا کردُوں گا اور بچوں کی کوئی بات نہیں تو ایک طرح سے پسند ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو، یہ بھی عالم تھیں اور معرفتِ ذاتِ الٰہیہ اور صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں اُن کا جو مقام ہے وہ بہت بڑا ہے۔

حضرت اُمِ سلمہؓ کی گفتگو، بعد ازاں تائب ہونا :

تو حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی مقرب تھیں جناب رسول اللہ ﷺ کی اس واسطہ کچھ ازواجِ مطہرات نے اِن کو اپنا مقتدا اور بڑا بنا لیا تھا تو ان دوسری ازواجِ پاک نے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بات کی اور کہا کہ آپ بات کریں رسول اللہ ﷺ سے اور یہ فرمایئے کہ لوگوں سے آپ یہ فرمائیں کہ جو بھی کوئی ہدیہ دینا چاہے تو جہاں بھی ہوں رسول اللہ ﷺ وہاں دیں یعنی تخصیص نہ کریں تو آقائے نامدار ﷺ سے انہوں نے گفتگو کی تو آپ نے جواب دیا **لاتؤذینی فی عائشة** عائشہؓ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ اُن کا نام لے کر اُن سے تقابل کی شکل اختیار کر کے ایسے نہ کرو اور اُن کی فضیلت بتائی، فضیلت وہ نہیں جو دُنیاوی ہو فضیلت وہ جو عنداللہ ہے کہ **فان الوحی لم یأ تنی و انا فی ثوب امرأة الاعائشة** میں اگر کسی عورت کے پاس ہوں تو وحی نہیں آتی سوائے عائشہؓ کے کہ اُن کے پاس اگر ہوں تو وحی آجاتی ہے۔ یہ کہنے لگیں کہ **اتوب الی اللّٰہ من اَذاکَ یا رسول اللّٰہ** جناب کو تکلیف پہنچتی ہے تو میں اس سے توبہ کرتی ہوں۔

ایک اور کوشش اور بیٹی کی سعادت مندی :

پھر انہوں نے (یعنی ازواجِ مطہرات نے) اور کوشش کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بُلایا اور اُن سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہو تو رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اُن کو اور طرح جواب دیا اُن سے ارشاد فرمایا **یابُنَیَّة الا تحبین ما احب** جو مجھے پسند ہے کیا وہ تمہیں پسند نہیں ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا **بَلٰی** کیوں نہیں **قال فاحبی ھذہ** فرمایا تو تم بھی اُن سے محبت کرو۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ ہی اسی طرح کا رہا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اُن سے اسی طرح کا تعلق رکھا طرفین میں ایسا ہی خصوصی معاملہ تھا۔ مثلاً وہ جو آتا ہے کہ مرضِ وفات میں آپ نے ایک بات کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تو وہ رونے لگیں پھر بات کی تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہ ؓ نے دریافت کیا تو اُنہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات خفیہ فرمائی ہے میرے کان میں، میں وہ کیسے ظاہر کر سکتی ہوں یعنی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں اور وہ بتلانا چاہیں تو بتلا دیں (تو اور بات ہے لیکن) مجھ سے وہ کان میں بات کہیں اور میں وہ بتلا دوں تو یہ تو میں نہیں کر سکتی۔ اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے خاموش ہوگئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مان :

جب وفات ہوگئی تو پھر پوچھا اور پھر جو پوچھا ہے تو وہ بڑے اچھے کلمات ہیں وہ بہت تعلق والے کلمات ہیں۔ بمالی علیک من الحق جو میرا تمہارے اُوپر حق ہے میں اس حق کے واسطے سے پوچھتی ہوں تو پھر انہوں نے فرمایا کہ پہلی دفعہ جو فرمایا وہ یہ کہ میں اِس دُنیا سے رُخصت ہونے والا ہوں جب مجھے دیکھا کہ غم ہوا ہے تو دوبارہ جو بات کی تو یہ فرمایا کہ تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ سیّدۃ النساء اھل الجنۃ ہو اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہو اور یہ کہ سب سے پہلے تم ہی میرے سے ملوگی میرے گھر والوں میں ۔ یہ دو باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں تو اس پر میں ہنسی تھی اور خوش ہوئی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ عجیب بات ہے آدمی ابھی رو رہا ہے اور ابھی ہنس رہا ہے یہ تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں اس طرح سے، تو اس لیے خاص طور پر پوچھا تھا انہوں نے، اور واقعی ایسے ہی ہوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی چھ ماہ بعد وفات ہوگئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حسبک من نساء العالمین تمام عورتوں میں جو مختلف ادوار میں مختلف زمانوں میں گزری ہیں اُن میں بس یہی کافی ہیں یعنی اِن کا ذکر کافی ہے ان کا شمار کرلیا جائے تو کافی ہے ایک مریم بنتِ عمران رضی اللہ عنہا، دوسرے خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا، تیسرے فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ، چوتھے آسیہ امرأۃ فرعون فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا وہ بہت بڑے درجے کی ہیں ان سب کا ذکر حدیث میں بہت اعلیٰ طرح آیا ہے اور اِن سب سے ہم سب عقیدت اور محبت رکھتے ہیں مگر شیعہ حضرات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بُغض رکھتے ہیں یہ عقیدۂ باطلہ ہے حالانکہ بالکل پاکیزہ اور بہت بڑے درجے کی اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اِن سب حضرات کا ساتھ عطا فرمائے آمین۔ اختتامی دُعا.........

☆☆☆☆☆

بقیہ : فہمِ حدیث

تو صف والوں میں سے ایک شخص اس گزرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا: کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی (یا کوئی اور مشروب) پلایا تھا اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا کہ میں نے تمہیں وضو کے لیے پانی دیا تھا پس یہ شخص اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرا دے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆

سلسلہ نمبر۳ قسط نمبر۲

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

﴿ نظر ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

جیل خانے یا عبادت گاہیں، ان حضرات کے مشاغل کی ایک جھلک :

۲۸ء سے ۴۴ء تک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ چار مرتبہ مراد آباد سے اور ایک مرتبہ دہلی سے گرفتار ہوئے با مشقت سزا بھی دی گئی۔ جیل ہی میں حفظِ قرآن پاک شروع کیا سولہ پارے متعدد جیلوں میں یاد کیے۔

۸/اگست ۴۲ء کو وہ تحریک شروع ہوئی جس کا نام "کوئیٹ انڈیا" "ہندوستان چھوڑ دو" والی تحریک مشہور ہوا حسنِ اتفاق کہ اس میں گرفتار شدگان اکابر سب ہی مراد آباد جیل میں جمع ہو گئے۔

حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حسن پور ضلع مراد آباد میں ایک تقریر کی وجہ سے پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تھے والد صاحب اس وقت باہر تھے اس دوران حضرت مدنیؒ کے جو گرامی نامے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر ہوتے رہے وہ گورنر یا صوبہ دار کے عنوان سے معنون [1] آتے رہے جیسے کہ مکتوبات شیخ الاسلامؒ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

حضرت اقدس مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی (جو اس قید کے بعد حضرت مدنیؒ کی خلافت سے مشرف ہوئے)، حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محمد عبداللہ صاحب تھانوی [2] اور حافظ محمد ابراہیم صاحب سب ہی اسی جیل میں تھے، چند روز بعد رمضان شریف آ گیا تو جیل خانہ کی پارک تراویح گاہ بن گئی۔ شیخ الاسلامؒ تراویح پڑھاتے تھے اور مولانا حافظ قاری عبداللہ صاحب سماعت کیا کرتے تھے۔ رحمهم الله رحمة واسعة.

---

[1] یعنی گورنر یا صوبہ دار کے نام سے آتے رہے [2] آپ کا وطن تھانہ بھون تھا۔ نیکی پارسائی، علمی اور سیاسی بصیرت انتہا درجہ کی خدا نے بخشی تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاوٰی میں مسئلہ ضاد پر اشکالات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اکتوبر میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہوگئے تھے۔ وہاں شیخ الاسلامؒ سے درسِ قرآن پاک کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا مگر یہ درس [1] ایک ہفتہ ہونے پایا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کو مراد آباد سے نینی جیل (الہ آباد) منتقل کردیا گیا۔ یہ حضرات جن کے لیے یہ جیل خانہ ایک عبادت گاہ اور درس گاہ بن گئی تھی حضرت اقدسؒ کی مفارقت پر تڑپتے رہ گئے۔

کچھ عرصہ بعد والد صاحبؒ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کو بھی بریلی سینٹرل جیل منتقل کردیا گیا اور دوسرے بقیہ حضرات کو بھی مختلف مقامات پر۔ والد صاحب جیل ہی میں تھے کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کو تنفس (دمہ) کا عارضہ تھا۔ ۳۴ء کے بعد ایک دفعہ جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسیر تھے ایک دن میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا دادا جان مرحوم پر اِن کا بہت اثر ہوا۔ اب مجھے اس نظم کے صرف تین مصرعے یاد ہیں یہ نظم مخمس کے طرز پر تھی۔

بلبلِ بے خانماں اب تو چمن سے دور ہے ﴿﴾ گردشِ تقدیر سے لاچار ہے مجبور ہے

اس کا چھٹا مصرعہ یہ تھا :

کیوں میرا نورِ نظر آنکھوں سے میری دور ہے

(باقی حاشیہ ص ۹) حتی کہ عزیزی قاری عبداللہ آئے پھر اُن سے گفتگو کے بعد رفع اشکالات کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے قرأتِ عشرہ اِن ہی سے پڑھی ہیں۔ جولائی ۴۴ء میں جیل سے آنے کے بعد وفات پائی۔ آپ کی وفات کے عرصہ بعد قبر بیٹھ گئی جسم مبارک سالم نکلا۔ آپ کی ذات بہت چھوٹی تھی لیکن میں سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو سیّد صدیقی فاروقی اور عثمانی وغیرہ کہلا کر خوش ہوجانے والے حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ کل قیامت کے دن جناب رسول اللہ ﷺ کے قریب وہ ہوں گے یا آپ کا وہ امتی ہوگا جو عمل ورع اور تقوٰی اور اتباعِ سنت سے مزین رہا ہو چاہے وہ حضرت قاری صاحب ہوں یا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ہوں۔ رحمہا اللہ ورفع درجاتہما۔ آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم ایک بار اس بات پر اظہارِ افسوس فرمارہے تھے کہ فتاوٰی کے نئے ایڈیشن میں حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی اس تمہیدی عبارت کو حذف کردیا گیا ہے جس میں حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کا ذکر حضرت نے فرمایا تھا۔ حضرت مفتی صاحب حضرت قاری صاحبؒ کے حالات پر عجب انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ حالات ضبطِ تحریر میں آجائیں۔

[1] والد ماجد نور اللہ مرقدہ نے یہ دروس تحریر فرمائے تھے جو کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا نام ہم نے ''مجالس سبعہ'' رکھا ہے کیونکہ سات ہی مجلسیں ہونے پائی تھیں یہاں اسکا فوٹو لے کر طبع کرادی ہے۔

اس زمانے میں متعدد بار ایسا ہوا کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ یہ نظم رات کو مجھ سے سنتے اور ہر دفعہ اُن پر اس کا شدید اثر ہوتا لیکن وہ نہایت متحمل مزاج اور صابر تھے کبھی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا حتی کہ والد صاحب سے بھی ان کے جیل آنے یا جانے پر کسی قسم کی بیتابی وغیرہ کا کبھی اظہار نہیں ہوا نہ کبھی انہیں سیاست سے روکا۔

جب ۴۴ء میں والد صاحب جیل میں گئے تو دادا جان رحمہ اللہ کی علالت بڑھی حتی کہ آپ نے وفات پائی۔ ہماری رہائش محلہ مغلپورہ میں تھی۔ مغل خاندان کے حضرات ان کا بزرگوں کی طرح اکرام کرتے رہے اور ہم سے رشتہ داروں کی طرح ملتے رہے ان ہی حضرات کی ایک مسجد ہے اس کے گرد اُن کے خاندان کے لوگ مدفون ہیں ان ہی میں صحنِ مسجد کے مشرقی حصہ سے متصل ان کی قبر مبارک ہے۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ میں ان کی وفات پر تعزیت فرمائی گئی ہے یہ واقعہ ربیع الاول ۶۳ھ جون یا جولائی ۴۴ء کا ہے۔

۲۶ راگست ۴۴ء ۶ ر رمضان ۶۳ھ کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی رہائی ہوئی۔ فوری آرڈر دیا گیا کہ وہ نینی جیل سے باہر تشریف لے جائیں۔

انگریز کی طاقت بھی جنگ کے اثرات سے مضمحل ہوگئی تھی وہ ہندوستان سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنا چاہتا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کی نظامت :

سہارنپور میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ۱۱ر جمادی الاول ۱۳۶۴ھ ۴ر مئی تا ۷ر مئی ۱۹۴۵ء کو رکھا گیا جس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ''ناظم اعلیٰ'' اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ''ناظم جمعیۃ علماء ہند'' چنا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے عہدہ قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ والد صاحب ناظم بنیں اور حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا حکم والد صاحب کے لیے دُوسری بار تھا نظامت کے فرائض بہت تھے اس لیے رفتہ رفتہ مراد آباد کو خیر باد کہنا پڑا۔

۱۹۴۷ء کے بعد حالات اور خدمات :

۴۸ء میں کرایہ پر مکان لے کر اہلِ خانہ کو مراد آباد سے دہلی بلا لیا اور مستقل طور پر دہلی رہنے لگے۔ درس و تدریس کا مشغلہ چھوڑنا پڑا لیکن اس وقت ملک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتنی تھی۔

مشرقی پنجاب اور ہماچل میں مسلمان ہندوانہ وضع یا سکھوں کی وضع اختیار کر کے زندگی گزار رہے تھے جہاں تباہ شدہ مسلمانوں کی تعداد ایک فی ہزار رہ گئی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے حضرات نے وہاں دورے کیے، حوصلے دلائے شبینہ مکاتب (نائٹ کلاسیں) شروع کیے۔ مسلمان جو چھپے ہوئے تھے برآمد ہونے لگے۔ اس کے لیے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں جماعت تک دینیات کا بارہ رسائل پر مشتمل ایک نصاب تحریر فرمایا۔ اس کے لیے معاون تعلیمی چارٹ بھی

بنوائے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ یہ رسائل باوضوتحریر فرمایا کرتے تھے۔

رسائل دینیہ کا یہ نصاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوا۔ از ہر شاہ صاحب قیصر مدظلہم ابن حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ رسالہ ''دار العلوم'' کے ایک تعزیتی نوٹ میں جو اُنہوں نے دسمبر ۷۵ء کے پرچہ میں لکھا تھا تحریر فرماتے ہیں :

''جمعیۃ کی سیاسی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے والے مولانا موصوف ہی تھے، دسیوں کتابیں آپ نے لکھیں اور بڑی محنت و جانفشانی سے لکھیں۔ سیاسی علماء پر مولانا کے جو احسانات ہیں وہ بُھلائے نہیں جاسکتے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ کے دورِ نظامت میں آپ نے ''دینی تعلیم کا رسالہ'' سات حصوں میں چھوٹے بچوں کے لیے لکھا اور اسے اپنے اہتمام میں عمدہ کتابت و طباعت سے شائع کرایا اور بحیثیت مصنف اس پر اپنا نام درج نہیں کیا۔ یہ مولانا کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ دینی تعلیم کا رسالہ پورے ملک میں بہت مقبول ہوا۔ اس سے پہلے آپ نے بچوں کے لیے ''تاریخ الاسلام'' نام کا رسالہ تین حصوں میں لکھا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کوئی بچے والا گھر ان رسالوں سے خالی نہیں میرا اندازہ ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی پچاس [1] کتابوں کے آپ مصنف ہیں''۔

یہ رسالے اور ان کے معاون عمدہ چارٹ ایک نہایت عمدہ تعلیمی سیٹ ہے اور اب یہ رسالے گیارہ حصوں میں ہیں۔ بچوں کے لیے ابتداء سے آٹھویں جماعت تک کے لیے ان میں آداب واخلاق، عقائد وعبادات اور ضروری مسائل سب دلچسپ پیرایہ میں ہیں۔

''علماءِ حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے'' دو حصوں میں ہیں پہلے حصے میں ۱۸۵۷ء سے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دور تک کے حالات ہیں۔ دوسرا حصہ زیادہ ضخیم ہے اس میں ان علماء کے حالات ہیں جنہوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں یا اُن کے معاون رہے، یہ کتاب اسی نقطۂ نظر سے شاندار ماضی کی طرح لکھی گئی ہے۔ اس میں ۱۹۴۷ء تک کے حالات ہیں۔

''جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟'' اور ''مختصر تذکرہ خدماتِ جمعیۃ علماء ہند'' دو حصوں میں تحریر فرمائیں۔ یہ بھی اسی طرح کی کتابیں ہیں۔

۴۷ء کے بعد ایک طرف تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو برآمد کیا جائے دوسری طرف ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے

[1] ویسے درحقیقت تقریباً اسی کتابیں لکھی ہیں۔ حامد میاں

کہ ان کی نظر اس چیز پر منعطف ہوکر رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کو اسلام پر کیسے قائم رکھا جائے۔

آخر عمر میں آپ نے پھر پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ مدرسہ امینیہ میں شیخ الحدیث وصدر مفتی کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے نقطۂ نظر سے بلند پایہ محققانہ تصانیف کا کام انجام دیتے رہے مجھ سے ایک مرتبہ گفتگو فرما رہے تھے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے دوبار ہندو مسلم لیڈروں نے متفقہ طور پر بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوجانے کی پیش کش کی لیکن میں نے اسے پسند نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور قبول کر لینی چاہیے تھی بہت سے کام ہوسکتے تھے اس پر ذرا خفگی سے جواب دیا کہ ''تم بھی ایسی باتیں کرتے ہو؟'' مطلب یہی تھا کہ ان کا ذہن اس طرف رواں تھا کہ ایسی تحریرات سامنے آنی چاہئیں جو مسلمانوں کی بقاء اور ترویجِ اسلام کا ذریعہ بنیں اور ممبر ہونے کے بعد آدمی اور کاموں میں پھنس جاتا ہے۔

سیّد محبوب صاحب رضوی لکھتے ہیں :

''مولانا سیّد محمد میاں علم وعمل کا پیکر اور مشہور عالم ہیں بہار اور پھر مراد آباد میں عرصہ تک درس وتدریس کا مشغلہ رہا۔ پھر مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ علماء کی سیاسی خدمات سے عوام کو روشناس کرانے میں آپ نے زبردست تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اور اسکے ریکارڈ کے آپ تنہا مصنف ہیں۔ ''تاریخ اسلام'' ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' ''علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے'' وغیرہ کتابیں ان کی گراں قدر تصنیف ہیں جمعیۃ علماء ہند کا تعلیمی نصاب بھی آپ ہی کے قلم کا رہینِ منت ہے بچوں کے لیے نصابی کتابیں ان کی نفسیات کے مطابق لکھنے کا اُن کو خاص ملکہ ہے ان کی تصانیف کو قبولِ عام حاصل ہے اس وقت مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث اور ادارۂ مباحث فقہیہ کے معتمد ہیں؟'[1]

۴۷ء کے بعد پیش آنے والے حالات کے ضمن میں :

ایک جگہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے :

''۱۵/اگست ۴۷ء کے بعد فرقہ واریت کے وہ ہنگامے شروع ہوگئے جو آج تک ختم نہیں ہوئے ان کی داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی، ان ہنگاموں نے خدمات کا ایک نیا باب قائم کیا جس کا عنوان ''ریلیف'' ہے یعنی کشتگانِ ستم کو دفنانا، مجروحوں کے جسم پر دوا کی پٹیاں باندھنا اور زخمی دلوں پر تسکین اور دلداری کا مرہم لگانا اُجڑے ہُوؤں کو بسانا''

---

[1] سیّد محبوب رضوی تذکرہ سادات رضویہ دیوبند ۱۹۷۴ء ص ۲۱

جدید دفتر جمعیۃ علماء ہند :

آپ نے متعدد مساجد واگزار کرائی تھیں جن میں ایک مسجد ''عبد النبی'' تھی جو نئی دہلی میں ہے اس سے ملحق کافی جگہ تھی۔ وہاں آپ کی خواہش تھی کہ جمعیۃ علماء ہند کا مرکزی دفتر بنائیں۔ جواب بحمد اللہ بن گیا ہے ایک شاہی دور کی وسیع مسجد جو تقریباً مسجد فتح پوری کے برابر ہوگی سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے لبِ دریائے جمنا ہے اس کا نام غالباً حسنِ منظری کے باعث ''گھٹا مسجد'' پڑا ہے انھیں بہت پسند تھی۔ اس کے گرد مکانات بنے ہوئے تھے جن پر شرنارتھیوں کا قبضہ تھا وہ مسجد بھی واگزار کرائی۔ وہاں ایک سہ ماہی تربیتی کورس فضلاء مدارس کے لیے شروع کیا تھا اور خود ہی پڑھاتے تھے۔

آخری دور کی تصانیف :

انہوں نے ہر موضوع پر ایسی کتابیں تحریر فرمائیں جن سے مسلمانوں کو علمی مواد فراہم ہو جائے اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت بھی ہو۔

اقتصادیات پر آپ نے ''اسلام کے اقتصادی اور سیاسی مسائل'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ ۳۸ء میں بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کا نام ہے'' آنے والے انقلاب کی تصویر'' اس میں جو معلومات جمع کی گئی ہیں اور خاکہ مرتب کیا ہے وہ اس دور میں اُن کی نگاہِ دور بین کا شاہکار ہے یہ کتاب اگرچہ زمانہ تحریر کے اعتبار سے پرانی ہے مگر مضمون کے لحاظ سے جدید ہے۔

ایک ضخیم کتاب ''سیرتِ مبارکہ'' کے نام سے سیرت پر لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب غیر مسلموں کو دعوت دینے ہی کے لیے لکھی ہے، اسی لیے اسے سب سے پہلے ''انسان'' کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ عجیب معلومات سے پُر ہے۔ اس کے بارے میں عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں :

> ''کتاب جس قدر لوازمِ ظاہر کے لحاظ سے خوشنما اور دلفریب ہے اسی قدر معنوی حیثیت سے قابلِ داد اور اعلیٰ ہے، سیرتِ مبارکہ پر بڑی چھوٹی کتابیں اب تک اردو میں بے شمار لکھی جا چکی ہیں اور بعض بڑی بلند پایہ ہیں (مثلاً شبلیؒ و سلیمانؒ کی سیرت النبی) لیکن یہ سب سے نرالی سب سے انوکھی سب سے البیلی ہے۔ فاضلانہ مگر خشک مطلق نہیں مختصر مگر مجمل کہیں سے نہیں۔ مفصل مگر بارِ خاطر کہیں سے بھی بننے والی نہیں۔ عام پسند مگر عامیانہ ہونے کے شائبہ سے بھی پاک، نُدرت سے لبریز مگر غَرَابت و اجنبیت سے سراپا پرہیز و گریز، اسلوبِ بیان ایسا کہ بغیر دیکھے اور پڑھے اس کا ذہن میں آنا دُشوار ہے۔ کتاب تمام تر بیسیوں صدی کے ناظرین کو پیشِ نظر رکھ کر

لکھی گئی ہے۔ الخ''

مغازی رسالتمآب ﷺ پر ایک بیش قیمت کتاب تصنیف فرمائی ہے اس کا نام ''عہد زریں'' ہے اس میں صحابہ کرامؓ کے احوال مبارکہ بھی ہیں۔ یہ دونوں جلدیں سیرت مبارکہ کی جلد دوم وسوم کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ کتاب ''ازالۃ الخفاء'' مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں اُس کے مضامین کی تشریح بھی ہے عام فہم ہے اور علماء میں بہت مقبول۔

''شواہد تقدس'' ۱ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مودودی صاحب کے اعتراضات کے جوابات میں تحریر فرمائی تھی۔ احادیث کی ایک کتاب ''مشکوٰۃ الآثار'' لکھی جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں داخل ہے ''ترجمہ نورالایضاح'' فقہ میں اور بچوں کے رسائل میں ''ہمارے پیغمبر'' اور ''تاریخ اسلام'' بہت پہلے کی تصانیف ہیں۔ مالٹا میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے حضرات کے احوال پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام ''اسیرانِ مالٹا'' ہے۔

۷۴ء میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تحریر فرمایا تھا کہ جب حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے خودنوشت سوانح حیات تحریر فرمائی تو میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سوانح حیات تو نہیں نقشِ حیات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کو اِن کا یہ جملہ پسند آیا تو آپ نے اس کا نام ''نقشِ حیات'' رکھ دیا، اسی گرامی نامہ میں یہ اطلاع بھی تھی کہ اب آپ (۷۵ء) میں حضرت مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات تحریر فرما رہے ہیں جو غالباً مفصل ہوتی لیکن اس کے بارے میں پھر کچھ علم نہیں ہو سکا۔

۷۵ء ہی میں آپ نے انڈیا آفس لائبریری کی سی آئی ڈی کی رپورٹوں سے ''تحریکِ شیخ الہندؒ'' نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کا افتتاح صدر جمہوریۂ ہند نے اپنے قصر صدارت میں غالباً ۵ر جولائی ۷۵ء کو کیا۔

جس میں تقریباً تمام وزراء مع وزیرِ اعظم، ارکانِ اسمبلی ومعززین سب ہی کو بڑی تعداد میں مدعو کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بہت عقیدت تھی۔ اور شاید اسی بناء پر (ہندوستان کے صدر) فخر الدین صاحب نے اس کا افتتاح اس بڑے پیمانہ پر کیا نیز یہ منشاء بھی ہوگا کہ حقیقتاً قربانی دینے والے حضرات کے احوال سامنے آنے چاہئیں، حقیقتاً جدوجہدِ آزادی شروع کرنے والے اور اِسے پروان چڑھانے والے حضرات میں خصوصاً طبقۂ علماء ہی تھا نہ کہ نواب، جاگیردار اور سَر وغیرہ کے خطابات حاصل کرنے والے لوگ یہ لوگ تو خال خال ہی ہوں گے جنھوں نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہو۔

---

۱ شاندار ماضی کی طرح ''شواہد تقدس'' بھی طبع ہو چکی ہے ''سیرۃ مبارکہ'' اور ''عہد زریں'' بھی ہم یہاں طبع کرانے والے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

زہد:

۷۵ء میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت ہند کی طرف سے وظیفہ اور مکان کی سہولتوں وغیرہ کی پیشکش کی گئی ''تانبر پتر'' (شیلڈ) بھی دیا گیا جس پر کارنامے کندہ ہوتے ہیں اور وزیرِ اعظم کے دستخط ثبت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جدوجہد آزادی میں پانچ مرتبہ گرفتار ہوئے تھے۔ تانبر پتر انہوں نے رکھ لیا اور یہ فرما کر رکھا کہ یہ میں اس لیے لے رہا ہوں کہ جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی شمار میں اس سے اضافہ ہوگا باقی چیزیں قبول نہیں کیں۔

حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ چیزیں اور سرکاری لقب پیش کیا گیا تھا اُنہوں نے بھی یہ تختی رکھ لی تھی باقی چیزیں قبول نہیں فرمائی تھیں۔ اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

سلوک واحسان :

جب ہم ۴۴ء میں مُراد آباد آئے تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ مغرب بعد پابندی سے ذکرِ جہر کیا کرتے تھے۔ صبح کو ورزش بھی کرتے تھے وہ ذکر و جہاد اور علم و تبلیغ کے جامع تھے۔

حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمِ سلوک ۶۳ء کے قریب قریب مکمل فرمادی تھی۔ سلوک کا آخری سبق ان تعبداللّٰہ کانک تراہ ہے جسے احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اہلِ طریقت اس مراقبہ کا نام ''مراقبۂ ذات مقدسہ'' ''مراقبہ ذاتِ بحت'' اور ''لاتعین'' وغیرہ رکھتے ہیں جیسے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ''التکشف'' میں تحریر فرمایا ہے۔

مکتوباتِ شیخ الاسلامؒ جلد اول ص ۳۴۳ مکتوب ۱۳۱ سے جو مولانا مظفر صاحب دیوبندی کے نام مکاتیب ہیں اور وہ ۴۴ء میں نینی جیل (الٰہ آباد) سے تحریر فرمائے گئے ہیں اسی مضمون کے ہیں۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اسم مبارک مظفر میاں تھا (اور میرے چچا مدظلہم کا نام مظفر علی ہے) یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کی طبیعت میں اخفاءِ حال ودیعت رکھا گیا تھا اس لیے اپنا مشہور نام طبع نہیں کرایا۔

بہرحال حضرت اقدسؒ تحریر فرماتے ہیں :

اما ما ذکرتم من الذکر ومشاھدۃ القلب فمبارک زاد اللّٰہ ھذہ المساعی والمشاھدات	بہرحال ذکرِ قلبی اور مشاہدہ جیسا کہ تذکرہ آپ نے کیا ہے تو وہ مبارک ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی اور مشاہدات میں ترقی دے۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر ہے :

فعليك يا اخى بتوجيه القلب الى الذات البحت مهما امكن فان ذكر اللسا ن لقلقة وذكرالقلب وسوسة وذكر الروح هوا لذكر.	لہٰذا برادرِ من تم پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے ذات بحت مقدسہ کی طرف دل کو متوجہ رکھو۔

یہ مکتوب گرامی ۱۹/ربیع الاول ۶۳ھ کا ہے۔

پھر مکتوب گرامی نمبر ۱۴ میں اس کی مزید تشریح فرما کر بتلا دیا ہے :

اما الذكر الروحى فذالك التوجه بالقلب الى الذات البحتة التى متنزهة عن الكم والكيف وسائر الا عراض .الخ	ذکرِ رُوحی قلب کی توجہ کا نام ہے حضرتِ حق جل مجدہٗ کی ذاتِ خاص کی طرف، جو کم اور کیف اور جملہ اعراض سے منزہ ہے۔

اسلام میں سب سے بڑی نعمت اس مراقبہ کا حصول ہے اسی کا نام معرفت ہے یہی وصول الی اللہ ہے یہی سلوک کا آخری سبق ہے یہیں سے ''سیر فی اللہ'' شروع ہوتی ہے خداوند کریم نے ان کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا خدا کرے اب عالمِ آخرت میں بھی اس ''صلاۃ'' کا سلسلہ جاری ہو۔

تعلیمی اشغال مدارس سے شغف :

جولائی ۵۵ء میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ مراد آباد کی وفات کے بعد سے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اہلِ مراد آباد نے وہاں کا مہتمم مقرر کیا۔ یہ اہلِ مراد آباد کی محبت اور تعلق ہی تھا۔ آپ نے آخری وقت تک اسے نباہا۔ بحمد اللہ مدرسہ بھی ترقی کرتا رہا آپ نے وہاں لبِ دریا ایک وسیع جگہ لے کر ''ادارہ حفظ الرحمن'' جامعہ قاسمیہ و مدرسہ شاہی کے تحت وسیع پیمانہ پر قائم کیا۔ وہاں ہی آج کل مولانا ارشد صاحب ابن حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ تقریباً چار سال سے کام کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند منتخب ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد اس عہدہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ علمی اور تصنیفی مشاغل زیادہ کر دیے تھے، پھر مراد آباد کے علاوہ دہلی کے چار مدارس کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا۔ ادارہ المباحث الفقہیہ کے رئیس اور اوقاف جمعیۃ کے چیئرمین تھے دار العلوم دیو بند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن تھے۔ وہاں بھی بیشتر شوریٰ وغیرہ کی کارروائیاں ان کے دستِ مبارک سے لکھی جاتی تھیں۔ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث تھے بخاری شریف اور ترمذی شریف کے علاوہ ہدایہ اخیرین بھی پڑھاتے تھے وہاں کے صدر مفتی تھے یہ سب کام اخیر وقت تک جاری رہے۔ افتاء کا کام جو مراد آباد میں اور مدرسہ امینیہ میں انجام دیا ہے نیز

نظامت جمعیۃ کے دوران بھی جو فتاوی تحریر کیے ہیں وہ اگر کبھی جمع کیے گئے تو یہ بھی اُن کے علمی کام کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔

مکاتیب :

ان کے مکاتیب بھی علمی افادیت سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ مجھے ایک دفعہ تحریر فرمایا کہ "ذہن میں آتا ہے کہ ظہر کی نماز سے جو تعلیم صلٰوۃ شروع ہوئی ہے وہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ **اقم الصلٰوۃ لد لوک الشمس** کے حکم کے مطابق ہوئی ہے یہ آسان توجیہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب جب وزارت پر فائز ہوئے تو ان کے نام ایک گرامی نامہ میں چند نصائح اور مبارکباد تحریر فرمائی تھی اس کا پورا مضمون تو مجھے یاد نہیں البتہ نصیحت میں ایک آیت بھی تحریر فرمائی تھی **ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا**۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے علمی گرامی نامے بہت لوگوں کے پاس ہوں گے کیا اچھا ہو کہ وہ مہیا ہوسکیں۔ جناب حاجی عبدالحی خانصاحب ۳۴۰/۵ دستگیر کالونی نے ان کا ایک والا نامہ مع ایک کارنامہ کے ارسال فرمایا ہے جو ایک مذہبی خاص معاملہ میں ہے خاں صاحب موصوف اس زمانہ میں مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے اور اب عرصہ سے کراچی پاکستان میں ہیں اور والد صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند تھے۔

رشید میاں سلمہٗ نے ان کی خدمت میں آٹوگراف کے لیے کچھ کارڈ بھیج دیئے اس پر انہوں نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا کہ جس سے ان کی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے اس حالت ضعف میں آخری وقت تک کس درجہ دین پر استقامت اور جذبۂ تبلیغ واصلاح غالب تھا۔

> "آٹوگراف وغیرہ محدثات میں سے ہیں **ایاکم والمحدثات**۔ اپنے بزرگوں کے طریقے معلوم کرو **عضوا علیھا بالنواجذ**۔ یہ تقشف وتصلب نہیں بلکہ دین متین کو اصل خدوخال میں باقی رکھنے کی صورت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اتباعِ سلف کی توفیق بخشے۔ یہی سعادتِ عظمٰی ہے اور عالم دین کے لیے یہی حقیقی ترقی"۔

ہمیں یہ والا نامہ ان کی وفات کے دو دن بعد جمعہ کے دن نماز کے بعد موصول ہوا جو ہم سب کے لیے وصیت کا درجہ رکھتا ہے اور وصیت مسنونہ کے انتہائی قریب ہے۔ **وباللّٰہ التوفیق وھو المستعان**۔

یہ مکتوب انہوں نے ہمشیرہ سے تحریر فرمایا ہے۔ کمزوری کی وجہ سے خود نہیں تحریر فرما سکے مگر یہ سطور خط کے آخر میں خود اپنے قلم سے تحریر فرمائی..... اگر علماء اُمت میں ایسے لوگ جو صرف دین اسلام پر ہی عمل پیرا رہیں نہ ہوتے تو اسلام کا عملی نمونہ دُنیا سے اُٹھ گیا ہوتا۔ یہ اسلام کا معجزہ ہے اور خدا کا وعدہ ہے اور ایسے حضرات اس معجزہ کا نمونہ مصداق اور مظہر ہوتے چلے آئے ہیں۔

عادات واخلاق :

حُسنِ اخلاق اور حقوق العباد پر خاص طور پر زور دیتے تھے تمام ہی رشتہ دار اُن کے رہینِ منت رہے ہیں وہ سب کے لیے باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اور اُن کی امداد کی وجہ سے خود ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

اس قدر مشغولیت کے باوجود ہر رشتہ دار کے یہاں کبھی نہ کبھی جاتے رہنے کا وقت نکالتے تھے چاہے دس ہی منٹ بیٹھیں میرے چچا سیّد احمد میاں عرصہ سے علیل ہیں والد صاحب صبح کو ٹہلنے کے بعد واپسی پر اُن کے یہاں روزانہ تشریف لے جاتے تھے اور صرف پانچ چھ منٹ بیٹھ کر تشریف لے آتے تھے شاید **انک لتصل الرَحِم وتحمل الکل** وغیرہ پر عمل فرماتے تھے جو رفتہ رفتہ طبیعت بن گیا تھا اور نہایت ہی عجیب بات یہ تھی کہ وہ صرف یہ خیال رکھتے تھے کہ دوسرے کا حق اُن پر کیا ہے؟ اس لیے اس کی ادائیگی کے لیے کوشاں رہتے تھے اور ہمیشہ ممنون، اور یہ جانتے ہی نہ تھے کہ ان کا حق دوسرے پر کیا ہے؟ اور وہ اداء کرتا ہے یا نہیں؟

ان کی شفقت بڑھتے بڑھتے شفقتِ عامہ کے درجہ میں داخل ہوگئی تھی۔ ایک روز شام کے وقت پکانے کے لیے سبزی لے آئے حالانکہ ہمیشہ میرے بھائی سودا لاتے ہیں۔ والدہ نے دیکھا تو وہ تقریباً نصف خراب تھی انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا لے آئے ہیں آدھی تو خراب ہی ہے۔ فرمایا کہ اس سبزی والے کے پاس یہی رہ گئی تھی اور اب اس سے کون خریدتا اور صبح تک اس کی سبزی ساری ہی خراب ہو جاتی اس لیے میں لے آیا۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی کتاب لکھی ہے جس کا نام "**مشکوٰۃ الآثار**" ہے وہ بھی اخلاقیات پر ہے۔ انہوں نے اس کا ایک نسخہ بھیجا کہ محمود میاں اور وحید میاں کو یہ پڑھائیں اور تحریر فرمایا :

> "موطا امام محمد سے آغاز بہت بہتر ہے (میں نے مدرسہ میں شرح وقایہ کے ساتھ موطا امام محمد پڑھوانا شروع کی تھی اس کی اطلاع دی تھی کہ یہ دونوں موطا پڑھ رہے ہیں) مگر مشکوٰۃ الآثار بھی ضرور پڑھوایئے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کو حفظ کرایا جائے۔ فقہی مسائل کے متعلق احادیث پر تو بہت زور دیا جاتا ہے۔ اخلاقیات کے متعلق صرف مشکوٰۃ کا نصف آخر ہے مگر وہ عموماً نہیں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھایا جاتا ہے تو اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی مشکوٰۃ الآثار میں اسی کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم ابتداء ہی میں اخلاقیات سے بھی واقف ہو جائے اور شفیق استاد ہو تو اُن پر عمل کی تربیت بھی کرتا رہے۔ الحمد للہ ہندوستان میں اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اب عربی حروف کے ٹائپ سے طباعت کا انتظام ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ مکمل فرمائے"۔

عبادت وریاضت :

جمعیۃ علماء کی نظامت کے فرائض کے دوران بھی کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ نماز باجماعت میں کوتاہی ہو سوائے اس کے کہ حضرت مدنی قدس سرہ دفتر میں تشریف فرما ہوں اور وہ مسجد میں نہ جا سکیں تو دفتر ہی میں حضرت کے ساتھ جماعت میں شرکت فرما ہوتے تھے۔

بعد مغرب نوافل میں قرآن پاک یاد رکھنے کے لیے کافی دیر تلاوت فرماتے تھے صبح کو نماز فجر کے بعد ٹہلنے جاتے تھے اس وقت بھی تلاوت فرماتے تھے۔ واپس آکر نوافل اشراق پڑھا کرتے تھے۔

۶۴ء میں مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ خداوندِ کریم نے حفظِ قرآنِ پاک مکمل کرا دیا ہے۔ گویا محققانہ معیار پر تصنیف وتالیف، درس وتدریس اہتمام مدارس اسفار اور مکاتبت وملاقاتوں وغیرہ کے جاری رکھتے ہوئے حفظ قرآن پاک کی تکمیل بھی فرمائی یہ برکت اور توفیق ہی ہو سکتی ہے۔ وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل (رمضان المبارک ۹۵ھ سے قبل) والا نامہ صادر ہوا تھا اس میں اپنی کمزوری کا حال تھوڑا سا تحریر فرمایا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے شعر کا نا تمام حصہ "ان یشاء یبارک علی اوصال شلوممزع" بھی۔ میں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا تو تحریر فرمایا: "مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان بے حقیقت ہے، چند اعضاء کے جوڑ کا نام انسان ہے۔ خالقِ انسان جب تک چاہے یہ جوڑ باقی رکھے جب چاہے توڑ دے وہ "جبارِ ہضیم" بھی ہے لیکن وفات کی خبر کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ بقول ابونواس ۔

دَبَّ فِیَّ الفناء سِفلاً و عُلُوًا

وارانی اموت عُضوًا فعُضوًا [1]

کی کیفیت محسوس فرما رہے تھے۔

آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہنے کی کوشش :

لیکن توفیق شاملِ حال تھی جس سے میرے علاوہ دہلی میں اپنے گھر کے اندر موجود رہنے والوں کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں کیونکہ آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہے۔

رمضان مبارک میں جو والا نامہ صادر ہوا اس میں اس بات پر بہت اظہارِ قلق فرمایا تھا کہ میں کمزوری کے باعث مسجد تک بیس منٹ میں راستہ طے کر پاتا ہوں۔ اس بناء پر ظہر اور عشاء کے علاوہ جماعتوں میں شرکت نہیں کر سکتا۔ مکان سے مسجد کچھ فاصلہ پر ہے اور صحن مسجد سیڑھیاں چڑھ کر ہے وہاں تک جانے کی پابندی کی کوشش فرماتے تھے۔

---

[1] مجھ میں فنا نیچے اور اوپر سے سرائیت کر گئی ہے اور میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک ایک عضو کر کے مر رہا ہوں۔

علالت :

خونی بواسیر سب سے بڑا عارضہ تھا جس کا دورہ اس سال ۱۵ر رمضان سے شروع ہوا اس میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ بدن کا جیسے سارا خون نکل گیا ہو لیکن اس کے باوجود میرے پھوپا سیّد سادات حسن صاحب کی وفات پر ۱۹ر رمضان کو سفر مرادآباد کیا اور روزہ سے رہے صرف تین روزے قضاء ہوئے اور تین دن تراویح نہیں پڑھ سکے، جتنے کام وہ کرتے تھے یقیناً وہ بغیر توفیقِ خاص کے ناممکن ہیں۔

وفات :

رمضان کے بعد ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون چڑھانا ضروری ہے جسے انہوں نے پسند نہ فرمایا اس کا بدل جوس وغیرہ تجویز کیے گئے لیکن غذا کی اشتہاء ختم ہو چکی تھی بالآخر کمزوری بڑھتی گئی۔

ایک عزیز حافظ طاہر صاحب وفات سے دو دن پہلے مزاج پُرسی کے لیے آئے تو فرمانے لگے بھائی! میں تو یہ آیت تلاوت کر رہا ہوں **فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین** (آخر سورۃ یوسف پارہ ۱۳ رکوع ۵) اور انتظار میں ہوں کہ کب رُوح پرواز کر جائے۔

زندگی کی آخری شب عشاء کی نماز اذان ہوتے ہی پڑھی پھر سانس میں دقت محسوس ہونے لگی۔ ڈاکٹروں خصوصاً حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے پوتے ڈاکٹر علیم صاحب کے مشورہ سے ہسپتال میں آکسیجن کے لیے جانا ضروری سمجھا گیا تو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے وہاں داخلہ ہوا۔ اگلے روز صبح سے وقفہ وقفہ سے سبحان اللہ وغیرہ کلمات فرماتے رہے۔ کوئی بات کرتا تھا تو اس کا جواب عنایت فرماتے تھے لیکن کمزوری کے باعث آواز بہت ہلکی تھی، شام کو سب کا خیال ہوا کہ گھر لیجایا جائے خود والد صاحب نے بھی یہی فرمایا لیکن خون کی تین اُلٹیاں آئیں اس کے بعد طبیعت جیسے پرسکون ہوگئی ہو۔ ساڑھے پانچ بجے ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے تو اُن سے گھر لانے کی اجازت لی گئی۔ ڈاکٹر سے اجازت ملتے ہی گلوکوز کی بوتل الگ کردی گئی اس سے ان کے چہرے پر مزید سکون ظاہر ہوا۔

میرا چھوٹا بھائی شاہد میاں سلمہٗ آخری شب جب انہیں ہسپتال لے جایا گیا حاضرِ خدمت رہا۔ اس نے بیان کیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر سے ہسپتال جاتے وقت ہی سمجھ گئے تھے اور انہیں خود کو آخری لمحات کا اندازہ ہو گیا تھا جسے انہوں نے ہم سے نہیں ظاہر کرنا چاہا کیونکہ انہوں نے وہاں جا کر کسی سے بات نہیں کرنی چاہی اور صرف ذکرِ الٰہی کی طرف متوجہ رہے سانس سے بھی اور زبان سے بھی، شاہد میاں نے کہا کہ شب کے اڑھائی بجے کے قریب ایک دفعہ جب ہاتھ سے سوئی نکالی گئی تو انہوں نے ہاتھ ایسے رکھے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ میں نے بات

کر کے دریافت کرنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ سے منع فرمادیا کہ بات نہ کرو بعد میں وفات تک اگرچہ وہ باتوں کا مختصر جواب دیتے رہے لیکن زیادہ تر پوری توجہ ذکرِ الٰہی کی طرف رہی۔

حُسنِ خاتمہ :

ایک مسلمان کے لیے حسنِ خاتمہ بہت بڑی دولت ہے (اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمائے) شام کو خون کی اُلٹیاں آنے کے بعد نظر آرہا تھا کہ ہر سانس پر اللہ اللہ کا ذکر جاری تھا۔ عزیزوں میں سے دو حضرات نے زیرِ لب تلاوت شروع کردی اسی اثناء میں ایک اور عزیز حافظ طاہر صاحب پہنچے۔ انہوں نے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کردی پڑھ کر دم کرتے رہے اور چمچہ سے پانی دیتے رہے۔ اسی دوران تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سبحان اللہ باآوازِ بلند کہا جو سب ہی نے سنا، تیسری بار آنکھیں بھی کھولیں اور جیسے اِدھر اُدھر نظریں گھومتی ہوئی آہستگی سے جھک گئیں۔ اس وقت طاہر صاحب سے فرمایا کہ ''اب اِدھر دیکھو'' اللہ اللہ کی آواز اب اور آہستہ ہوتی چلی گئی اور اس کے ساتھ آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ نہ کوئی جھٹکا نہ تشنج نہ گھبراہٹ بیحد سکون ؎۱ چھاتا چلا گیا۔ چہرہ پر ایسی ابدی مسکراہٹ رقصاں تھی کہ دیکھنے والوں کو سکون عطا کر رہی تھی۔ ۱۶ر شوال ۹۵ھ/ ۲۴ر اکتوبر ۷۵ء چہار شنبہ ساڑھے چھ بجے وفات پائی عمر مبارک سنین ہجریہ سے ۷۴ سال اور عیسوی سے ۷۲ سال ہوئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ **اللّٰھم اغفرلنا ولہ وتغمدنا وایاہ برحمتک ورضوانک وادخلہ الفردوس الاعلٰی من جنانک واجعلنا وایاہ ممن یدخلون الجنۃ بغیر حساب.**

ان کے لیے مفتی عتیق الرحمٰن اور قاضی سجاد صاحب نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے قریب قبر کا انتظام کیا تھا آپ کی قبر مبارک احاطہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں ہے جو ''قبرستان مہندیاں'' کہلاتا ہے لیکن والد صاحب کو مسجد عبدالنبی کے قریب جو ''گورِ غریباں'' ہے وہ بہت پسند تھا۔ وہیں انہوں نے اپنے پھوپی زاد بھائی سیّد عقیل صاحب کے لیے ۱۲ر رمضان ۹۵ھ کو جگہ تجویز کی تھی اور اظہار کیا تھا کہ انہیں اپنے لیے بھی یہ جگہ پسند ہے، یہ قبرستان بہت قدیم ہے، دہلی میں دہلی دروازہ کے باہر ہے۔

نمازِ جنازہ شاہ ابوالخیر قدس سرہ کے جانشین مولانا زید صاحب نے پڑھائی، مولانا اسعد صاحب مدنی غالبًا دورہ مدراس پر تھے البتہ مولانا ارشد صاحب پہنچ گئے تھے۔ جنازہ میں تمام مسلم وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء بھی شریک ہوئے۔ (مجھے حاجی عبدالغنی صاحب کلکتہ والوں نے یہ تفصیل لکھی تھی وہ نظام الدین تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے تھے

؎۱ دہلی سے رشتہ داروں کے سب خطوط میں یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے جو اشارہ کیا یوں محسوس ہوا کہ وہ ملائکہ کی طرف تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب کے ذہن میں یہی بات آئی۔ جو قرین قیاس ہے قرآن پاک میں یہی مضمون آیا ہے **ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا** (الآیۃ پ ۲۴ رکوع ۱۸) اور استقامت کا حال ان کے آخری گرامی نامہ سے واضح ہے۔

نماز میں شریک ہوئے تھے)۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہم اسہال کی شکایت کے باعث بہت کمزور تھے اور سہارنپور میں قیام تھا اس لیے سفر کے قابل نہ تھے مگر وہاں سے سب لوگوں کو دہلی بھیج دیا حتی کہ اپنے خاص خدام کو بھی ارشاد فرمایا کہ ہم سب کو ہی وہاں ہونا چاہیے تھا اور جنازہ میں شریک ہونا چاہیے تھا لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں آپ لوگ شرکت کریں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا محمد الحسنی صاحب مدیر "البعث الاسلامی" (عربی) ندوۃ العلماء لکھنؤ آپ کے انتقال پر تعزیتی نوٹ میں یوں لکھتے ہیں :

"فجع المسلمون فی الهند بوفاة فضیلة الشیخ محمد میاں فی شهر شوال ۱۳۹۵ھ رئیس قسم الحدیث الشریف والافتاء بالمدرسة الامینیة بد هلی وکانت وفاته خسارة کبیرة لهذه البلاد فی جمیع المجالات الاسلامیة فانا لله وانا الیه راجعون .وکان الفقید خیر مثال للعالم المعاصر الذی یجمع با تزان وقصد بین العلم والدین والتالیف والسیاسة والعبادة .له مؤ لفات وابحاث قیمة باللغة الارد ویة تعالج المواضیع العلمیة والدینیة والسیاسیة والا قتصادیة والفقهیة فکتابه "علماء الهند وما ضیهم الزاهر" نال من القبول والاعجاب من جمیع الاوساط العلمیة والسیاسیة مایزید فی قیمته واهمیته.وکذٰلک کتابه"محمد رسول الله ﷺ"و"المشکلات السیاسیة والاقتصادیة وحلولها فی ضوء تعالیم الاسلام "وغیر ذالک من الکتب یحمل اهمیة موضو عیة .

وقد کان شدید الحرص علی الحضورفی المهرجان التعلیمی لندوة العلماء ولکن الاجل لم یمهله وقد کتب فی ذالک کتابا الی سماحة الشیخ الندوی الا انه لم یتمکن من اتمامه ووافاه اجله .رحمه اللّٰه رحمة واسعة.وانزل علیه شاٰبیب رضوانه والهم اهله الصبروالسلوان ". [۱]

[۱] مولانا محمد الحسنی "البعث الاسلامی "لکھنؤ،المجلد العشرون ص۲۹۹ و ۳۰۰

ایک اہم اعلان

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اور جامعہ مدنیہ (قدیم وجدید) کی سرپرستی میں

fahmedeen.com

کے نام سے انٹرنیٹ (Internet) پر ایک ویب سائٹ جاری کی گئی ہے۔ اس ویب سائٹ پر آپ کو مختلف پروگرام ملیں گے :

۱۔ عقائد، اصول اور مسائل کے اہم موضوعات پر تفصیل

۲۔ تفسیر اور حدیث کے اہم اقتباسات

۳۔ موجودہ وقت کے ضروری مسائل

مندرجہ بالا تینوں پروگرام کے کچھ حصے Upload ہو چکے ہیں اور باقی پر کام جاری ہے۔ جتنا کام ہو چکا ہے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

۴۔ آپ کا سوال ہمارا جواب

اس کے لیے ہمارا نیا ای میل ایڈریس یہ ہے fatwa@fahmedeen.com

جبکہ fatwa_abdulwahid1@hotmail.com پر آپ کے سوالات کا جواب دینے کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے۔

۵۔ ہمارا ارادہ ہے کہ Internet پر ''فہمِ دین کورس'' باقاعدہ کرایا بھی جائے اس کے لیے ضروری کام کیا جا رہا ہے انشاء اللہ جلد شروع کریں گے۔

یاد رکھیے! جامعہ مدنیہ (قدیم وجدید) علمی اعتبار سے ایک مستند اور معیاری ادارہ ہے اور انٹرنیٹ یا ای میل پر اس کی کسی بھی پیشکش کو آپ انشاء اللہ معیار اور استناد میں مضبوط ہی پائیں گے۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے

۱۔ مولانا سید محمود میاں صاحب ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور

فون : +92-333-4249301 , +92-42-7726702

jmj786_56@hotmail.com

۲۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ''جامعہ مدنیہ'' کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون : +92-300-4113082 , +92-42-7461854

fatwa_abdulwahid1@hotmail.Com

انتقالِ پُر ملال

مرحوم محترم حافظ سعید صاحب گندھک والوں کی اہلیہ محترمہ جناب بھائی محمد سلیم صاحب اور بھائی محمد اقبال صاحب کی والدہ ماجدہ طویل علالت کے بعد گزشتہ ماہ کی ۵ ر تاریخ کو وفات پا گئیں اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بہت نیک اور وضع دار خاتون تھیں مختصر عرصہ میں اُن کی وفات خاندان کے لیے دوسرا بڑا حادثہ ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے۔ جملہ پسماندگان بالخصوص بھائی سلیم صاحب اور بھائی اقبال صاحب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

قسط:۱

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
اور
حضرت علیؓ کے ساتھ اُن کا اتصال

☆

﴿ ڈاکٹر محمد مظہر بقا، تلمیذ حضرت مدنیؒ ﴾

حسن نام ہے اور ابو سعید کنیت، بصری کی نسبت سے معروف ہیں ۔مدینہ میں پیدا ہوئے اُس وقت جب کہ خلافتِ فاروقی کے دو سال باقی تھے اس حساب سے سنہ ولادت ۲۱ھ/۴۲ ۷ ء ہوتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مضمون نگار نکلسن لکھتے ہیں کہ :

"Hasan Al-Basri(Abu Sa'id)Was born at Wadi-l-Qura-"

گویا نکلسن حضرت حسنؒ کی جائے پیدائش مدینہ کے بجائے وادی القری[1] قرار دیتے ہیں۔نکلسن نے اپنے اس مضمون کے اثناء میں اور اس کے آخر میں حسبِ ذیل عربی مآخذ کا حوالہ دیا ہے۔

طبری کی تاریخ، شعرانی کی الطبقات الکبری، ابن قطیبہ کی معارف، ابو طالب مکی کی قوت القلوب، ابن خلکان کی وفیات اور علی ہجویری کی کشف المحجوب ۔لیکن ان مآخذ میں سے کسی میں یہ نہیں کہ حسنؒ وادی القری میں پیدا ہوئے ۔اس کے برخلاف ابن خلکان، جو نکلسن کے مآخذ میں سے ایک مآخذ ہیں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ حسنؒ مدینے میں پیدا ہوئے البتہ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''نشاء بوادی القری'' یعنی ان کا نشو ونما وادی القری میں ہوا (وفیات ۱/۳۴۵، ۳۵۵)

---

[1] یا قوت حموی کہتے ہیں کہ وادی القری مدینہ کے اعمال میں مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے۔جس میں بہت سی بستیاں تھیں جواب ویران ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے فارغ ہو کر اسے فتح کیا تھا اس کے بعد وہاں کے لوگوں نے جزیہ پر صلح کر لی تھی۔ابو عبید اللہ السکونی کہتے ہیں کہ وادی القری اور حجر اور جناب پرانے زمانہ میں ثمود اور عاد کے مسکن تھے جن کے آثار اب تک باقی ہیں، پھر یہ یہود کے مسکن بنے پھر اس میں قضاعہ پھر جہینہ اور عذرہ اور بلی آباد ہوئے (معجم البلدان ۱۹ /۳۳۸، ۳۴۵) اور حجر وہی ہے جہاں غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور اس کے کنویں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا۔(معجم ما استعجم ۱/ ۳۲۹، ۳۳۰)

ابن سعد نے بھی مدینہ کو جائے ولادت بتا کر لکھا ہے کہ ان کا نشو و نما وادی القری میں ہوا (طبقات ۱۵۶/۷، ۱۵۷) اور ابن قتیبہ جائے ولادت کے بارے میں خاموش ہیں اور نشو و نما وادی القری میں بتاتے ہیں (معارف ۱۹۴، ۱۹۵)۔

لسان العرب میں ہے: **نشاء ینشا نشوا ونشا ونشاۃ ونشاۃ حیی وانشاء اللہ الخلق ای ابتدا خلقھم . ونشا ء ینشاء نشاء ونشوا ونشا" ربا وشب ونشأت فی بنی فلان نشأ و نشوآ شبلیت فیھم (۱۶۵/۱)**

معلوم ہوا کہ نشأ کے دو معنی ہیں ایک زندہ ہونا دوسرے پرورش پانا۔ نشأ کے معنی پیدا ہونے کے نہیں کہ نشاء بوادی القری کا ترجمہ "Was born at Wadi-i-Qura" کر دیا جائے اور نکلسن جیسے عربی کے فاضل سے یہ بعید بھی ہے پھر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ ان سے یہ **مسامحت** ہوئی ہے۔

نکلسن کی یہ بات دُور رس اثرات و نتائج کی حامل ہے تفصیل تو بعد میں آئی گی، لیکن یہاں اتنا اشارہ ضروری ہے کہ مدینہ یا بصرہ یہی دو مقامات ایسے ہو سکتے ہیں جہاں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت حسنؒ کا لقاء ممکن ہے۔ مسلم مورخین کے یہاں یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ بصرہ میں دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی، یہ بھی ملتا ہے کہ حسنؒ کا نشو و نما وادی القری میں ہوا، اب صرف مدینہ رہ جاتا ہے کہ اگر وہاں پیدائش مان لی جائے تو جس مدت تک بھی حسنؒ مدینے میں رہے ہوں، اس میں لقاء کا امکان رہتا ہے اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ پیدا ہی وادی القری میں ہوئے، تو یہ امکان بھی ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح احادیث پر اس کا جو اثر مرتب ہوتا ہے اس سے قطع نظر اس اساس پر بھی کاری ضرب پڑتی ہے جس پر تصوف کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے کیونکہ تصوف کے بیشتر سلسلے حسنؒ کے توسط سے علیؓ تک پہنچے ہیں۔

ابن حیان نے لکھا ہے کہ حسنؒ "ربذہ" میں پیدا ہوئے اور مدینے میں ان کا نشو و نما ہوا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا نشو و نما مدینہ میں ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ وادی القری میں۔ (اخبار القضاۃ ۳/۲، ۴)

"ربذہ" مدینہ سے حجاز کے راستہ میں تین یوم تقریباً (۸۴ میل) کی مسافت پر ایک گاؤں ہے جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی قبر بھی ہے (معجم البلدان ۲۴/۹)۔ حضرت عمرؓ نے ربذہ کو اُونٹوں کی چراگاہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ (معجم ما استعجم ۶۳۳/۲)

آپ کی والدہ کا نام "خیرہ" تھا[۱] جو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں[۲]

---

[۱] خلیفہ ابن خیاط (طبقات ص ۲۱۰/۱۰) نے والدہ کا نام "حمر ۃ" لکھا ہے جو بظاہر خیرہ کی تصحیف ہے اور ابن حیان (اخبار القضاۃ ۵/۲) نے "صفیہ" لکھا ہے [۲] بیشتر تذکرہ نگار یہی لکھتے ہیں لیکن ابن سعد نے (طبقات ۱۵۶/۷) خود حضرت حسنؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میرے والدین بنو نجار کے ایک شخص کے غلام تھے، اس نے انصار میں سے بنو سلمہ کی ایک عورت سے شادی کی اور دونوں کو مہر کے طور پر اسے دے دیا، اس عورت نے دونوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت حسنؒ کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد ابن سعد لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ اُم سلمہ کی باندی تھیں۔

والد کا نام ''یسار'' تھا ۱ اور کنیت ابوالحسن ۔آپ کے والد میسان کے قیدیوں میں سے تھے ۔ ۲

حضرت حسنؒ کے دو بھائی اور بھی تھے، ایک ''سعید'' جن کا ذکر متعدد حضرات نے کیا ہے اور بخاری نے لکھا ہے کہ سعید کا انتقال حسنؒ کی زندگی ہی میں سنہ ۱۰۰ھ میں ہوگیا تھا (تاریخ صغیر ص ۱۱۷)۔

ابن القیسرانی نے سعید کے ساتھ ''عمارہ'' نام کے ایک اور بھائی کا بھی ذکر کیا ہے ۔(کتاب الجمع ۱/ ۸۰) ابن سعد (طبقات ۷/ ۱۵۶ ۔ ۱۵۷)، ابن قتیبہ (معارف ص ۱۹۴ ۔ ۱۹۵)، ابو نعیم (حلیہ ۲/ ۱۴۷)، ابن خلکان (وفیات ۱/ ۳۵۴ ۔ ۳۵۵) اور دوسرے معتدد حضرات نے لکھا ہے کہ حسنؒ کے دودھ پینے کے زمانہ میں جب ان کی والدہ کسی کام سے باہر جایا کرتی تھیں اور حسنؒ رونے لگتے تھے تو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں بہلانے کے لیے ان کے منہ میں اپنا پستان دیدیا کرتی تھیں ۔ان میں دودھ بھی اُتر آتا تھا اور حسنؒ کی فصاحت وبلاغت ، علم وحکمت اور ورع و تقوی اسی دودھ کی برکت ہے ۔

اس میں اختلاف ہے کہ حسن بصریؒ کے والد کسی کے غلام تھے ۔ ابن القیسرانی (کتاب الجمع ۱/ ۱۸۰)، بخاری (تاریخ کبیر قسم ۲ ج ۱ ص ۲۸۷، تاریخ صغیر ص ۱۱۷)، ابن ابی حاتم (کتاب الجرح ج ۱ قسم ۲ ص ۴۰)، نووی (تہذیب الاسماء ۱/ ۱۶۱)، ذہبی (تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۷۱)، ابن عماد حنبلی (شذرات ۱/ ۱۳۶)، ابن خلکان (وفیات ۱/ ۳۵۴)، ابن اثیر (البدایہ ۹/ ۲۶۶)، نکلسن (R.A.Nicholson) اور آربری (A.F.Arbery) لکھتے ہیں کہ حسن کے والد یسار زید بن ثابت کے غلام تھے ۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بھی یہی ہے (۲/ ۲۷۳)۔

---

۱ تذکرہ نگار عام طور پر حسن بصریؒ کے والد کا نام یسار بتاتے ہیں لیکن طبری نے ان کے والد کا نام حبیب لکھا ہے اور مذہباً انہیں نصرانی بتایا ہے (تاریخ ۱/ ۲۹، ۲۰ ۔ ۱) اور ابن کثیر نے یسار کے ساتھ ساتھ ان کا نام ''ابرد'' بھی لکھا ہے (البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۶۶)۔

۲ بصرہ کی سرزمین میں میسان ایک جگہ ہے ۔حضرت عمر نے نعمان بن نضلہ کو میسان کا گورنر مقرر کیا تھا (وفیات ۱/ ۲۵۴ معجم ما استعجم ۴/ ۱۲۸۳) محمد اسماعیل صاوی ، ابن قتیبہ کی معارف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ میسان بصرہ اور واسطہ کے درمیان ایک ضلع ہے ۔ بقول ابن قتیبہ اسے عہد فاروقی میں مغیرہ نے اس وقت فتح کیا تھا جبکہ وہ بصرہ کے والی تھے ۔(اخبار القضاۃ ۲/ ۴) انسان العیون میں ہے کہ حسن بصری کے والد فارس کی ایک جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھوں قید ہوئے القول حاشیہ ص ۳۱) نکلسن بھی یہی لکھتے ہیں کہ فتح عراق کے دوران ۱۲ھ میاں خالد بن ولید کے ہاتھوں قید ہوئے ۔

(Encyclopcadia of Religion and Ethics vol-VI-p-525) ابن قتیبہ (معارف ص ۹۴) اور ابن حیان (اخبار القضاۃ ۲/ ۴) نے بعض لوگوں کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ حسن کے والد یسار، میسان کے بجائے نہر المراۃ کے قیدیوں میں سے تھے ۔

۳ Encycopaedia of religion and Ethics.vol.VI.P.525.

۴ Muslim Saints P.19

ابن سعد (طبقات ۷/۱۵۶) اور خطیب تبریزی (اکمال ص ۸) لکھتے ہیں کہ یسار کو ربیع بنت نضر نے خرید کر آزاد کیا تھا ابن اثیر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ یسار کو جابر بن عبداللہ کا غلام کہتے ہیں۔ (البدایہ ۹/۲۶۶)

نووی (تہذیب الاسماء ۱/۱۶۱) اور ذہبی (تذکرہ الحفاظ ۱/۷۱) بعض حضرات کا یہ ضعیف قول بھی نقل کرتے ہیں کہ وہ جمیل ابن قطبہ کے غلام تھے۔ وکیع محمد بن خلف نقل کرتے ہیں کہ وہ ابوالیسر انصاری کے غلام تھے (اخبار القضاۃ ۲/۴)

خلیفہ ابن خیاط نے اُم جمیل بنت قطبہ بن عامر بن جریدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ کا غلام بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اُم جمیل زید بن ثابت کی بیوی تھیں۔ [۱]

ابن حجر (تہذیب ۲/۲۶۳)، شعرانی (الطبقات الکبریٰ ۱/۲۵) اور کرمانی (الکواکب الدراری ۱/۱۴۲) نے اختلاف سے بچنے کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ کسی خاص شخص کا غلام بتانے کے بجائے مولی الانصار یا مولاہم کہہ دیا یعنی یہ کہ وہ انصار کے غلام تھے کیونکہ اختلاف کے باوجود اس پر اتفاق ہے کہ بہرحال وہ کسی انصاری ہی کے غلام تھے۔

نشوونما :

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے عام مؤرخین یہی کہتے ہیں کہ حسن مدینہ میں پیدا ہوئے۔ البتہ اس میں شدید اختلاف ہے کہ ان کا نشوونما کہاں ہوا۔ ابن سعد (طبقات ۷/۱۵۶، ۱۵۷)، ابن قتیبہ (معارف ص ۱۹۴، ۱۹۵)، ابن خلکان (وفیات ۱/۳۵۴، ۳۵۵)، نووی (تہذیب الاسماء ۱/۱۶۱)، کرمانی (الکواکب الداری ۱/۱۴۲) اور ابن حجر (تہذیب ۲/۲۶۳) لکھتے ہیں کہ حسن کا نشوونما وادی القری میں ہوا۔ ان حضرات میں سے ابن سعد، ابن خلکان اور کرمانی اس کی تصریح بھی کرتے ہیں کہ وہ مدینہ میں پیدا ہوئے۔

---

[۱] طبقات خلیفہ ص ۲۱۰۔ اس سے قطع نظر کہ حسن بصریؒ کے والد جمیل بن قطبہ یا اُم جمیل بنت قطبہ کے غلام ہیں یا نہیں، حقیقت حال یہ ہے کہ جمیل بن قطبہ نام کے کوئی صحابی ہیں ہی نہیں۔ ابن اثیر کی تجرید اسماء صحابہ، ابن عبدالبر کی استیعاب اور ابن جدزی کی تلقیح کسی بھی ایسے صحابی کے ذکر سے خالی ہیں جن کا نام جمیل ابن قطبہ ہو۔ البتہ زید بن ثابت کی بیوی اُم جمیل بنت قطبہ کا نام صحابیہ کی حیثیت سے الاصابہ (۴/۴۳۷) اور تلقیح (ص ۱۷۶) وغیرہ میں ملتا ہے اس طرح یہ اختلاف بھی خفیف ہو جاتا ہے کہ یسار زید بن ثابت کے غلام تھے یا اُم جمیل بنت قطبہ کے، کیونکہ ایک ہی گھر سے تعلق ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اشتباہ ہوا اور کسی نے شوہر کا غلام سمجھا اور کسی نے بیوی کا۔

طبقات ابن سعد (۷/۱۵۶) میں حضرت حسنؒ سے جو یہ روایت آتی ہے کہ میرے والدین بنونجار کے ایک شخص کے غلام تھے، اس نے انصار میں سے بنوسلمہ کی ایک عورت سے شادی کی اور دونوں کو مہر کے طور پر اسے دیدیا، اس عورت نے دونوں کو آزاد کر دیا۔ یہ روایت بھی اس صورت میں جزوی طور پر منطبق ہو جاتی ہے یعنی والد کی حد تک، کیونکہ حضرت زید بن ثابت بنونجار میں سے ہیں (استیعاب ۱/۵۵۱) اور اُم جمیل بنوسلمہ سے ہیں جیسا کہ ان کے جدِ اعلیٰ کے نام سے ظاہر ہے البتہ والدہ کے معاملہ میں یہ اُلجھن برقرار رہے گی۔ ممکن ہے یہ بات حضرت حسنؒ نے صرف اپنے والد کے لیے کہی ہو اور بعد کے کسی راوی سے سہواً والدین ہو گیا۔ واللہ اعلم

اگر ان کا نشو و نما وادی القری میں ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن بچپن ہی میں کسی وقت مدینہ سے وادی القری گئے۔ چونکہ اس عمر میں نہ کوئی شخص خود کسی دُور دراز مقام پر جا سکتا ہے اور نہ کسی اجنبی جگہ پہنچ کر مستقل اور خود کفیل زندگی بسر کر سکتا، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی انہیں لے جانے والا ہو اور وادی القری میں کوئی ٹھکانہ ہو جہاں وہ دوسرے کی زیرِ کفالت رہ سکیں لیکن کسی نے بھی معروف تذکرہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس کے ساتھ وادی القری گئے اور وہاں کس کے پاس رہے۔

حضرت حسنؒ کے والدین کو جن حضرات کا غلام کہا جاتا ہے کسی تذکرہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی بھی وادی القری میں جا کر رہا ہو۔ اسی طرح حسن کے والدین یا اُن میں سے کسی ایک کا وادی القری جا کر رہے کا ذکر بھی کسی تذکرہ میں نہیں ملتا اور کسی تذکرہ سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حسن کا کوئی عزیز وادی القری میں ہو اور حسن کو کسی کے ہمراہ ان کے پاس بھیج دیا گیا ہو۔

ابن سعد جو حسن کے لیے قدیم ترین ماخذ میں سے ایک ہیں ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ حسن کی ولادت مدینہ میں اور نشو و نما وادی القری میں ہوا، دوسری جانب مختلف سندوں اور مختلف لوگوں کے حوالوں ں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ :

(الف) حسن کہتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ کو خطبہ دیتے سنا اور خطبہ کے دوران کھڑے اور بیٹھے دیکھا، اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ [۱]

(ب) ابو رجا نے جب حسن سے دریافت کیا کہ آپ مدینہ کب تک رہے تو انھوں نے جواب دیا کہ صفین کی جنگ تک۔ [۲]

(ج) شہادت عثمانؓ کے وقت حسن چودہ سال کے تھے اور انھوں نے عثمانؓ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے سنا بھی ہے۔ [۳]

---

[۱] طبقات ۷/۱۵۷ [۲] طبقات ۷/۱۵۷ [۳] طبقات ۷/۱۵۷، طبری لکھتے ہیں کہ ابو عمرو نے حسنؒ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا تھا، تو انہوں نے اس کے جواب میں پورا واقعہ بیان کیا کہ میں اس وقت سمجھدار تھا اور اپنے ہم عصروں کے ساتھ مسجد میں موجود تھا، جب شور زیادہ ہوا تو میں بھی گھٹنوں کے بل اُٹھا یا کہا کہ کھڑا ہو گیا، مسجد کے اطراف میں لوگ جمع تھے اور اہل مدینہ کو ڈرا دھمکا رہے تھے۔ اس اثناء میں عثمانؓ منبر پر چڑھے اور ان کی حالت ایسی تھی جیسے بجھی ہوئی آگ، انہوں نے حمد و ثنا بیان کی، اسی دوران ایک شخص اُٹھا لیکن دوسرے نے اسے بٹھا دیا پھر ایک اور اٹھا اور دوسرے نے اسے بٹھا دیا پھر لوگ مزید بھڑک اُٹھے اور عثمانؓ کو کنکریاں مارنے لگے یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور انہیں اٹھا کر اندر لے جایا گیا۔ اس کے بعد بیس روز تک عثمانؓ نے نماز پڑھائی پھر انہیں نماز پڑھانے سے بھی روک دیا گیا۔ (تاریخ طبری ۴/۲۹۶۲)

(د) حسن کہتے ہیں کہ میں ازواج مطہرات کے گھروں میں جایا کرتا تھا اوران کے گھروں کی چھتوں سے ہاتھ لگالیا کرتا تھا۔

ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن کا نشوونما مدینے میں ہوا۔ پھر ابن سعد کا یہ لکھ دینا کہ ان کا نشوونما وادی القری میں ہوا، جبکہ اس کی تائید میں ایک لفظ بھی نہ لکھا ہو، نا قابلِ فہم ہے۔

ابن سعد (م ۲۳۰ھ) چونکہ مقدم ترین مآخذ ہیں اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انھوں نے یہ لکھ دیا کہ حسن کا نشوونما وادی القری میں ہوا تو ان کے بعد والوں میں سے ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) کرمانی (م ۷۸۶ھ) اور ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے بھی انہی کی پیروی کی لیکن ان حضرات میں سے بھی کسی نے کوئی واقعہ ایسا نہیں لکھا جس سے حسن کا وادی القری میں نشوونما پانا معلوم ہوتا ہو۔

ابن حجر نے وادی القری میں نشوونما کے ذکر کے ساتھ ابوزرعہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حسن نے علیؓ کو مدینہ میں دیکھا اور جب علی کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے تو اس کے بعد حسن کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی [۲]، اسی طرح ابن مدینی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "حسن نے علی کو نہیں دیکھا البتہ جب علی مدینہ میں تھے تو حسن کم عمر (غلام) تھے"۔ [۳]

یہ دونوں روایتیں ابن حجر کے قول کے برخلاف کہ حسن نے وادی القری میں نشوونما پایا، ان کے مدینہ میں نشوونما کو بتاتی ہیں۔

ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ :

"نشاء بالمدينة وحفظ كتاب الله فى خلافة عثمانؓ و سمعه يخطب بمرات وكان يوم الدار ابن اربع عشرة سنة [۳]"

حسن کا نشوونما مدینہ میں ہوا، خلافت عثمانؓ کے زمانہ میں انھوں نے قرآن کریم حفظ کیا، کئی بار عثمان کو خطبہ دیتے سنا اور شہادت عثمانؓ کے وقت وہ چودہ سال کے تھے۔

ذہبی کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد سے چودہ سال کی عمر کو پہنچنے تک حسن مسلسل مدینے میں رہے اور اس میں وادی القری کا کوئی ذکر نہیں۔

ذہبی نے اپنے پیشرؤں کے خلاف **نشأ بالمدينة** غالباً اسی لیے لکھا ہے کہ ان کے پاس اپنے دعوی کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔ یہ شہادتیں خود اُن لوگوں کے یہاں بھی ملتی ہیں جو وادی القری میں نشوونما کے قائل ہیں۔ اس کے

---

[۱] طبقات ۱/۵۰۱، ۷/۱۷۱۔ یہ روایت بخاری کی ادب المفرد میں موجود ہے (ادب المفرد ۱/۵۳۸، باب التطاول فى البيان)۔

[۲] تہذیب ۲/۲۶۶ [۳] ایضاً [۳] تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱

برخلاف وادی القری میں نشو ونما پانے کی کسی کے پاس کوئی شہادت نہیں۔

اس سلسلہ میں ابن اثیر اور خطیب تبریزی نے جو کچھ لکھا ہے وہ کافی اہم ہے اور حسن کے نشو ونما کے بارے میں جو اختلاف ہے، بظاہر اس سے اس اختلاف کے رفع کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

ابن اثیر جامع الاصول کے فن اسماء الرجال میں حسنؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

"ولد مسنتین یقینا من خلافة عمر بن الخطابؓ بالمدینة وقدم البصرة بعد مقتل عثمانؓ وقیل انه لقی علیاً بالمدینة واما بالبصرة فان رویته ایاء لم تصح لانه کان فی وادی القری متوجها نحو البصرة حین قدم علیؓ بن ابی طالب البصرة" [1]

"عمر بن خطابؓ کی خلافت کے دوسال باقی تھے کہ حسنؒ مدینہ میں پیدا ہوئے اور شہادت عثمانؓ کے بعد وہ بصرہ آگئے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں علیؓ سے ان کا لقاء ہوا ہے لیکن اس میں کوئی صحت نہیں کہ بصرہ میں حسن نے علی کو دیکھا ہو کیونکہ علیؓ جب بصرہ پہنچے تھے تو اس وقت حسنؒ بصرہ جاتے ہوئے وادی القری میں تھے۔

بالکل یہی بات خطیب تبریزی نے لکھی ہے :

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم کہ شہادت عثمانؓ کے بعد بصرہ جاتے ہوئے، وادی القری میں حضرت حسنؒ کا قیام اس مدت سے کچھ زیادہ رہا ہے جتنا عام طور پر مسافر راہ میں کسی جگہ قیام کیا کرتے ہیں اسی لیے ابن اثیر نے یہ نہیں کہا کہ وہ اس وقت وادی القری سے گزر رہے تھے بلکہ یہ کہا ہے کہ وہ اس وقت وادی القری میں تھے جس سے وادی القری میں ان کا قیام معلوم ہوتا ہے اور بظاہر یہی عارضی قیام ہے جس نے بعض حضرات سے یہ کہلوادیا کہ ان کا نشو ونما وادی القری میں ہوا۔ حضرت حسنؒ جب مدینہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئے ہیں اس وقت وہ عمر کے پندرھویں سال میں ہیں اور نابالغ ہیں اور یہ ان کے نشو ونما ہی کا زمانہ ہے۔ اس لیے اگر اس عدم بلوغ اور نشو ونما کے دور میں وادی القری کے عارضی مگر نسبتاً طویل قیام کو "نشأ بوادی القری" (وادی القری میں نشو ونما پائی) سے تعبیر کر دیا گیا تو ایسا ہونا بالکلیہ مستبعد نہیں۔ [2]

اور اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ انہوں نے وادی القری میں نشو ونما پائی۔ اس کے برخلاف تمام تر دلائل ذہبی، ابن اثیر اور خطیب تبریزی کے حق میں بھی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدینہ ہی میں پیدا ہوئے وہیں نشو ونما پائی اور شہادت عثمانؓ کے بعد مدینہ سے روانہ ہو کر وادی القری میں قیام کرتے ہوئے بصرہ پہنچے۔

---

[1] قرۃ ص ۱۰۳، فخر الحسن ص ۵ (جامع الاصول کا فن اسماء الرجال آخری جلد میں ہے جو طبع نہیں ہوئی)۔ [2] اکمال ص ۸

حضرت حسنؒ عہدِ معاویہؓ میں ربیع بن زیاد کے کاتب بھی رہے [1] اور عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ کے ساتھ انھوں نے کابل، اندقان، اندغان اور زابلستان میں تین سال تک جہاد بھی کیا [2] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والی عدی بن ارطاۃ نے انتقال کے وقت انہیں بصرہ کا قاضی بھی مقرر کیا لیکن انھوں نے بہت جلد یہ عہدہ چھوڑ دیا۔ [3]

رجب سنہ ۱۱۰ھ اکتوبر نومبر (سنہ ۷۲۸ء) کو شبِ جمعہ میں حضرت حسنؒ کا بصرہ میں انتقال ہوا [4] انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی۔ [5]

حسن بصریؒ نے کن صحابہ سے روایت کی :

حسن بصریؒ بالاتفاق اکابر تابعین میں سے ہیں انہوں نے متعدد صحابہ کو دیکھا ہے۔ ابو طالب مکی [6]، ابو نعیم [7] اور شیخ شہاب الدین سہروردی [8] کہتے ہیں کہ حسنؒ نے ستر بدری صحابہ کو پایا ہے اور ان سے ملاقات کی ہے۔ ابو طالب مکی یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ مجموعی طور پر تین سو صحابہ سے ملے ہیں۔ [9]

حدیث اور اسماءُ الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنؒ نے حسب ذیل صحابہ سے روایت کی ہے۔ جندب بن عبداللہ بجلی [10] انس بن مالک [11] عبدالرحمٰن بن سمرۃ [12] معقل بن یسار [13]۔

ابوبکرہ [14] سمرہ بن جندب [15] ابن عمر [16] ابو برزہ اسلمی [17] عبداللہ بن المغفل [18] عمرو بن تغلب [19] احمر [20] عثمان ابن عفان [21] عمران بن حصین [22] ابو ہریرہ [23] ابن عباس [24] اسود بن سریع [25] صعصعہ بن معاویہ [26] علی [27] ابو موسیٰ [28] عبداللہ بن عمرو بن العاص [29] معاویہ [30] جابر [31] مغیرہ بن شعبہ [32] اُم المومنین عائشہ [33]

---

[1] تہذیب ۲/۲۶۳ [2] طبقات ۷/۱۵۷ [3] اخبار القضاۃ ۲/۷ [4] طبقات ۷/۱۷۷ [5] تہذیب ۲/۲۶۶، ابن اثیر نے بوقتِ انتقال ۸۷ سال کی عمر لکھی ہے (کامل ۴/۲۰۵)۔ [6] قوت القلوب ۱/۳۰۴ [7] حلیہ ۲/۱۳۶ [8] عوارف ۱/۳۳۲ [9] قوت القلوب ۱/۳۰۴ [10] طبقات ۷/۱۵۷، تہذیب ۲/۲۶۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱ [11] کتاب الجرح ج اقسم ۲ ص ۴۰، تہذیب ۲/۲۶۴، اکمال ص ۸ [12] طبقات ۷/۱۵۷، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱ [13] تہذیب ۲/۲۶۴، سیر اعلام ۲/۴۱۵۔ بقول ابن القیسر انی ان چاروں اصحاب سے حسن کی روایات بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں (کتاب الجمع ۱/۸۰) [14] تہذیب ۲/۲۶۴، تذکرہ الحفاظ ۱/۷۱ [15] طبقات ۷/۱۵۷، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱ [16] کتاب الجرح ج اقسم ۲ ص ۴۰، طبقات ۲/۱۵۷، تہذیب ۲/۲۶۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱ [17] کتاب الجرح حوالہ سابقہ [18] ایضاً سیر اعلام النبلا ۲/۳۴۵ [19] کتاب الجرح وطبقات وتذکرۃ الحفاظ حوالہ جات سابقہ [20] کتاب الجرح حوالہ سابقہ [21] طبقات ۷/۱۵۷، تہذیب ۲/۲۶۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۱ [22] طبقات وتہذیب وتذکرۃ الحفاظ وسیر اعلام النبلا حوالہ جات سابقہ [23] طبقات حوالہ سابقہ، سیر اعلام النبلا ۲/۴۱۸ [24] طبقات، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب حوالہ جات سابقہ اکمال ص ۸ [25] طبقات حوالہ سابقہ [26] ایضاً [27] تہذیب ۲/۲۶۴ [28] ایضاً، اکمال ص ۸ [29] تہذیب حوالہ سابقہ [30] ایضاً [31] ایضاً، تذکرۃ الحفاظ حوالہ سابقہ [32] تذکرۃ الحفاظ حوالہ سابقہ [33] سیر اعلام النبلا ۲/۱۰۰

حکم بن عمرو غفاری ۳۴ وائل بن حجر ۳۵ معقل بن سنان ۳۶ طلحہ ۳۷ سعد بن عبادہ ۳۸ عمر بن خطاب ۳۹ ثوبان ۴۰ عمار بن یاسر ۴۱ عثمان بن ابی العاص ۴۲ ابو سعید خدری ۴۳ عائذ ابن عمر ۴۴ ۔

مذکورہ صحابہ میں سے کن حضرات سے حسن کا لقا اور سماع ہوا ہے، اس میں علماء کا بڑا اختلاف ہے چونکہ اس موقع پر اصل مقصود اس کی تحقیق ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت حسنؒ کا لقا اور سماع ثابت ہے یا نہیں اس لیے ان اختلافات پر تفصیلی گفتگو سے احتراز کیا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

بقیہ : آپ کے دینی مسائل

(۱۹) دوسرے سجدے کے بعد جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو پنجوں کے بل اُٹھے اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھے۔

(۲۰) ہر جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی اُنگلیوں کے سرے قبلہ رُخ رہیں۔

(۲۱) دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا اور ہاتھوں کی اُنگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑنا اور اُنگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب رکھنا۔

تنبیہ : عورت بائیں سرین پر بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال دے۔

(۲۲) تشہد میں اَشْھَدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر کلمہ کی اُنگلی سے اشارہ کرنا۔

(۲۳) قعدہ اخیرہ میں دُرود پڑھنا اور دُرود کے بعد کسی ایسی چیز کی دُعا مانگنا جس کا بندوں سے مانگنا محال ہو۔

(۲۴) پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف کو سلام پھیرنا اور ساتھ میں منہ کو بھی پھرانا۔

(۲۵) امام کو دونوں سلام بلند آواز سے کہنا مگر دوسرے سلام کو پہلے کی بہ نسبت پست آواز سے کہنا۔

(۲۶) سلام اِن لفظوں سے ہونا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ۔

☆☆☆☆☆

---

۳۴ ایضاً ۲/۳۳۹ ۳۵ ایضاً ۲/۴۱۳ ۳۶ ایضاً ۲/۴۱۶ ۳۷ تہذیب ۲/۲۶۳ ۳۸ ایضاً ۲/۲۶۴ ۳۹ ایضاً ۴۰ ایضاً ۴۱ ایضاً ۴۲ ایضاً ۴۳ ایضاً ۴۴ کتاب الجمع ۱/۸۰

ماہنامہ ''الخیر'' کی تاریخی وعلمی پیشکش خصوصی نمبر

بیاد

مناظرِ اسلام وکیلِ احناف

مولانا محمد امین صفدر رحؒ اوکاڑوی

۶۵۰ صفحات

- مولاناؒ کی مجاہدانہ زندگی کی ولولہ انگیز داستان
- فرق باطلہ اور زائغین کا بھرپور تعاقب ☆ خوبصورت فور کلر ٹائیٹل، اعلیٰ پرنٹنگ
- تعلیمی وتدریسی خدمات ☆ اصلاحی وتبلیغی خطبات
- دعوتی ومناظرانہ لٹریچر ☆ دعوت وعزیمت کی عظیم داستان
- لامذہبیت اور دیگر فرق باطلہ پر بھرپور تنقید اور سنجیدہ مباحث
- مولاناؒ کے شگفتہ قلم کی لازوال تحریروں اور لاجواب نگارشات سے انتخاب

قیمت/۳۰۰ روپے
رعایتی ہدیہ
صرف/۲۰۰ روپے
بیرون ممالک کیلئے
رجسٹری بائی ایئر میل
/۱۰۰۰ روپے

اس تاریخی دستاویز کو حاصل کرنے کا نادر موقع

ماہنامہ ''الخیر'' کے نئے خریدار

سٹاک محدود ہے

سالانہ چندہ کی رقم/۱۸۰ روپے کے ساتھ صرف/۱۵۰ روپے بھیج کر ''خصوصی نمبر'' حاصل کر سکتے ہیں۔
/۳۳۰ روپے ارسال فرمائیں اور سالانہ خریداری کے ساتھ ماہنامہ ''الخیر'' کا مولانا امین صفدرؒ نمبر حاصل کریں۔

رابطہ کیلئے فیاض احمد عثمانی ناظم ماہنامہ ''الخیر'' جامعہ خیر المدارس، ملتان فون نمبر (061) 545783 (061) 544440

باب : ۴ قسط : ۲۹

فہمِ حدیث

☆

قیامت اور آخرت کی تفصیلات

﴿حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب﴾

شفاعت :

رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی اور بار بار ہوگی سب سے پہلے جبکہ سارے اہلِ محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت و ہمت نہ ہوگی اور آدم علیہ السلام سے لے کر عیسٰی علیہ السلام تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی "نفسی نفسی" کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لیے شفاعت کی جراءت نہ کر سکیں گے تو اس وقت عام اہلِ محشر کی درخواست پر اور اُن کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ ہی ہمت کر کے اور اللہ کے لطف وکرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے اور پوری نیاز مندی اور حُسنِ ادب کے ساتھ (جو آپ کے شایانِ شان ہے) بارگاہ رب العزت میں اہلِ محشر کے لیے سفارش کریں گے کہ ان کو اس فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔ بارگاہِ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی اور یہ شفاعت صرف آپ ہی فرمائیں گے اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہو جائے گا۔ یہ شفاعت چونکہ عام اہلِ محشر کے لیے ہوگی اسی لیے اس کو "شفاعتِ عظمٰی" بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اپنی اُمت کے مختلف درجہ کے اُن گنہگاروں کے بارے مین جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے یا جو جہنم میں ڈالے جا چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اِن کو معاف کردیا جائے اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی اور اس کی وجہ سے خطاکار اُمتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنم سے نکالی جائے گی۔ اس کے علاوہ اُمت کے کچھ نیک لوگوں کے لیے آپ اس کی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخلہ کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے اُمتیوں کے حق میں آپ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے۔ حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد اور

انبیاء علیہم السلام، فرشتے اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہلِ ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے یہاں تک کہ اہلِ ایمان کے کم عمر میں فوت معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لیے سفارشیں کریں گے، اسی طرح بعض اعمالِ صالحہ بھی اپنے کرنے والوں کے لیے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان سفارشوں ہی کے بہانہ ہوگی۔

مگر خیال رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اُس کی مرضی اور اجازت سے ہوں گی ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے یا اُس کا اذن اور اشارہ پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لیے زبان کھول سکے۔

عن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا کان یوم القیٰمۃ ماج الناس بعضھم فی بعضٍ فیا تون آدم فیقو لون اشفع الیٰ ربک فیقول لست لھاولکن علیکم بأبراھیم فانہ خلیل الرحمٰن فیاتون ابراھیم فیقول لست لھا ولکن علیکم بموسٰی فانہ کلیم اللّٰہ فیاتون موسٰی فیقول لست لھا ولکن علیکم بعیسٰی فانہ روح اللّٰہ و کلمتہ فیاتون عیسٰی فیقول لست لھا ولکن علیکم بمحمد فیاتونی فاقول انا لھا فأستاذن علٰی ربی فیوذن لی ویلھمنی محامد احمدہ بھا لا تحضرنی الاٰن فاحمدہ بتلک المحامد واخر لہ ساجداً فیقال یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع فأقول یا رب اُمّتی اُمّتی فیقال انطلق فاخرج من کان فی قلبہٖ مثقال شعیرۃ من ایمان فأنطلق فأفعل ثم أعود فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرلہ ساجدا فیقال یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع فاقول یارب اُمّتی اُمّتی فیقال انطلق فأخرج من کان فی قلبہٖ مثقال ذرۃ اوخردلۃ من ایمان فانطلق فأفعل ثم أعود فاحمدہ بتلک الحمامد ثم أخرلہ ساجداً فیقال یامحمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع فاقول یارب اُمّتی اُمّتی فیقال انطلق فاخرج من کان فی قلبہٖ ادنٰی ادنٰی ادنٰی مثقال حبۃ خردلۃ من ایمان فاخرجہ من النار فأنطلق فافعل ثم أعود الرابعۃ فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرلہ ساجداً فیقال یا محمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطہٗ واشفع تشفع فاقول یا رب اِئذن لی فیمن قال

لاالٰہ الا اللّٰہ قال لیس ذالک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منھا من قال لا الٰہ الا اللّٰہ. (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا : جب قیامت کا دن ہوگا (اور سب اولین وآخرین میدانِ حشر میں جمع ہوگے) تو لوگوں میں سخت اضطراب اور ازدحام کی کیفیت ہوگی پس وہ لوگ (یعنی اہلِ محشر کے نمائندے) آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اپنے رب سے ہماری سفارش کردیجیے (کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے) آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں لیکن تم کو چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں (شاید وہ تمہارے کام آسکیں) پس یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اُن کے سامنے شفاعت کا اپنا سوال رکھیں گے) وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ اللہ کے کلیم ہیں (جنہیں اللہ نے بلا واسطہ اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے شاید وہ تمہارا کام کرسکیں) پس یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اپنی وہی عرض اُن کے سامنے رکھیں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں (یعنی اللہ نے اُن کو انسانی پیدائش کے عام مقررہ اسباب کے بغیر صرف اپنے حکم سے پیدا کیا ہے اور اُن کو غیر معمولی قسم کی رُوحانیت بخشی ہے) تو تم اُن کی خدمت میں جاؤ (شاید وہ تمہارے لیے حق تعالیٰ سے عرض کرنے کی جراءت کرسکیں) پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور اُن سے شفاعت کی درخواست کریں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں تم کو (اللہ کے آخری نبی) محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے (اور شفاعت کے لیے مجھ سے کہیں گے) تو میں کہوں گا کہ میں اِس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت دیدی جائے گی (میں وہاں حاضر ہوجاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ اُس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لیے الہام فرمائیں گے (جو اِس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں) تو اُس

وقت میں اُنہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا۔ (اور جب تک اللہ چاہیں گے آپ سجدہ میں رہیں گے پھر آپ کو شفاعت اور سوال کرنے کی اجازت دی جائے گی تو آپ تمام اہلِ محشر کے لیے حساب اور فیصلہ شروع ہونے کی شفاعت کریں گے جس کو ''شفاعت ِکبریٰ'' کہتے ہیں۔ پھر جب حساب کے نتیجہ میں آپ کے بہت سے اُمتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے تو آپ اُن کو جہنم سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور پھر سجدہ میں گر جائیں گے اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سُنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمہاری مانی جائے گی پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری اُمت میری اُمت (یعنی میری اُمت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے) پس مجھ سے کہا جائے گا جاؤ اور جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اُس کو نکال لو پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا (یعنی جن کے دل میں جو کے دانہ برابر بھی نورِ ایمان ہو گا اُن کو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی حمد وثنا کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا اے محمد! سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمہاری شفاعت مانی جائے گی پس میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری اُمت میری اُمت تو مجھ سے فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور جن کے دل میں ذرہ کے بقدر (یا فرمایا کہ رائی کے دانہ کے بقدر) ایمان ہو اُن کو بھی نکال لو۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر یا رائی کے دانے کے برابر نورِ ایمان ہو گا اُن کو بھی نکال لاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف پھر لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی حمد وثنا کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا پس مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سُنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، پس میں عرض کروں گا میرے رب! میری اُمت میری اُمت پس مجھ سے فرمایا جائے گا جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم

سے کمتر بھی ایمان ہو اُن کو بھی نکال لو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا (یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان کا نور ہو گا اُن کو بھی نکال لاؤں گا) اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹ کر آؤں گا اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اُس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا پس مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد! اپنا سر سجدہ سے اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سُنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمہاری سفارش مانی جائے گی پس میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار! مجھے اجازت دیجیے ان سب کے حق میں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو (کہ میں ان سب کو بھی جہنم سے نکال لاؤں) اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ کام تمہارا نہیں ہے لیکن میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یخرج قوم من اُمتی من النار بشفاعتی یسمون الجهنميين. (بخاری)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک گروہ میری اُمّت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا جن کو "جہنمی" کے نام سے یاد کیا جائے گا (ایسا توہین وتنقیص کے طور پر نہ ہوگا بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا جو اُن کے لیے خوشی کا باعث ہوگا کیونکہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا)۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال اسعد الناس بشفاعتی یوم القیٰمة من قال لا الٰہ الا اللہ خالصا من قلبہٖ او نفسہٖ. (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو (کیونکہ اس کے بغیر ایمان نہیں اور ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوگا)۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال شفاعتی لاهل الكبائر من اُمّتی. (ترمذی و ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری اُمّت کے اُن لوگوں کے حق میں (بھی) ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔

شفاعت کون کون کرے گا :

عن عثمان بن عفانؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یشفع یوم القیٰمۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء . (ابن ماجہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے انبیاء پھر (اہلِ حق اور باعمل) علماء پھر شہداء۔

عن ابی سعیدؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال ان من اُمتی من یشفع للفئام ومنھم من یشفع للقبیلۃ ومنھم من یشفع للعصبۃ ومنھم من یشفع للرجل حتی یدخلوا الجنۃ. (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں بعض افراد وہ ہوں گے جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا اور قوموں کے حق میں اُن کی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو ایک قبیلہ کے لیے شفاعت کریں گے اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کرسکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔

جہنم میں داخلہ سے پہلے شفاعت :

عن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یصف اھل النار فیمربھم الرجل من اھل الجنۃ فیقول الرجل منھم یافلان اما تعرفنی انا الذی سقیتک شربۃ وقال بعضھم انا الذی وھبت لک وضوء فیشفع لہ فید خلہ الجنۃ. (ابن ماجہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا (آخرت میں مسلمان) اہلِ دوزخ صف باندھے کھڑے کیے جائیں گے (یعنی اہلِ ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے۔ وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے) تو اہلِ جنت میں سے ایک شخص ان کے پاس سے گزرے گا (باقی صفحہ ۸ پر)

قسط : ۳، آخری

اکمالِ دین

﴿ حضرت مولانا منیر احمد صاحب ﴾

قرآن وحدیث میں تحریف :

غیر مقلدین نے اپنے اس نا گفتہ بہ، قرآن وحدیث سے متصادم، ایمان کے منافی باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث میں تحریفِ معنوی کا ارتکاب کیا ہے اور تحریفِ معنوی کیے بغیر قرآن وحدیث سے باطل نظریہ ثابت ہو بھی نہیں سکتا چنانچہ سورۂ الحاقہ پ ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے صداقتِ قرآن کو ثابت کیا پھر عہدِ نبوت کے منکرین قرآن ورسالت کے ایک شبہ کا ازالہ کیا۔ منکرینِ قرآن کہا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ (معاذ اللہ) خود اپنی طرف سے کلام بنا کر اللہ پاک کی طرف جھوٹی نسبت کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اِن کے شبہ کو دور کرنے کے لیے سورۂ الحاقہ آیت نمبر ۴۴ تا ۴۷ میں فرمایا کہ اگر یہ رسول ہماری طرف کسی ایک بات کی بھی جھوٹی نسبت کر دیتے بات خود بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو البتہ ہم ان کو دائیں ہاتھ کے ساتھ پوری قوت سے پکڑتے اور پکڑ کر شاہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے بچا نہ سکتا۔ اس آیت کا نبی پاک ﷺ کے اجتہاد اور آپ کی اجتہادی رائے سے کیا تعلق؟ لیکن غیر مقلدین نے سینہ زوری کر کے خود اپنے اجتہاد سے اس آیت کو پیغمبر ﷺ کی اجتہادی رائے پر چسپاں کر دیا۔ اس پر یہ کیسے چسپاں ہو سکتی ہے؟ یہ آیت اس صورت میں اجتہادی رائے کے بطلان پر پیش ہو سکتی ہے جب کسی کا یہ نظریہ ہو کہ نبی پاک ﷺ خود اجتہاد کر کے اپنی اجتہادی رائے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تھے لیکن یہ کسی کا نظریہ نہیں اور نہ ہی سرورِ کائنات ﷺ الصادق الامین صادق ومصدوق پیغمبر ہو کر ایسا کر سکتے ہیں اگر وہ اس طرح کی جھوٹی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیں تو وہ صادق ومصدوق کیسے؟ وہ الصادق الامین کیسے؟ جب وہ اپنی اجتہادی رائے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہی نہیں اور نہ کسی کا یہ نظریہ ہے تو نبی پاک ﷺ کی اجتہادی رائے کو نا قابلِ اعتبار اور نا قابلِ حجت قرار دینے کے لیے اس آیت کو دلیل بنانا کیونکر درست ہے؟ اور عجیب بات ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد و اجتہادی رائے کو باطل و نا قابلِ حجت ثابت کرنے کے لیے خود اجتہاد کر رہے ہیں جو از اول تا آخر ہے بھی غلط۔ حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو شرعی قانون کے مطابق اُن کو اختیار ملا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے شوہر مغیث کے ساتھ ازدواجی تعلق بحال رکھیں اور اگر چاہیں تو علیحدگی اختیار کر لیں نبی پاک ﷺ مغیث کی بے تابی کو دیکھ کر چاہتے تھے کہ ازدواجی تعلق قائم رہے آپ نے

بریرہؓ کے سامنے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر بریرہؓ نے کہا کہ حضرت ! اگر حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے اور اگر مشورہ ہے تو پھر میں جدائی چاہتی ہوں۔ ظاہر ہے خالصۃً یہ ایک دنیوی معاملہ تھا جس میں بریرہؓ نے نبی پاک ﷺ کے مشورہ پر عمل کرنے کی بجائے اپنی رائے پر عمل کیا جس کو نبی پاک ﷺ نے بھی محسوس نہ فرمایا لیکن مولانا جونا گڑھی صاحب نے پیغمبر علیہ الصلٰوۃ والسلام کے شرعی و دینی احکامات میں اجتہادی رائے کو ناقابلِ حجت ثابت کرنے کے لیے حدیث بریرہؓ کو اس پر فٹ کر دیا اور اس سے ثابت کیا کہ دینی و شرعی اُمور میں پیغمبر پاک ﷺ کی رائے حجت نہیں اس سے انحراف وسرتابی میں کوئی حرج نہیں، کیا یہودیانہ روش **یحرفون الکلم عن مواضعہ** (یہودی کلام کو اس کے ٹھکانہ سے پھیر دیتے ہیں) سے مولانا محمد جونا گڑھی کی روش کوئی مختلف ہے؟ تاہم اس سے غیر مقلدین کا عقیدہ کھل کر سامنے آ گیا کہ ان حضرات کے نزدیک فقہاء مجتہدین کی اجتہادی آراء تو اپنی جگہ خود صاحب شریعت پیغمبر علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اجتہادی رائے بھی حجت نہیں۔

مولانا محمد جونا گڑھی اپنی مایہ ناز کتاب شمع محمدی ص ۱۹ پر ایک سرخی قائم کرتے ہیں ''صحابہؓ کی درایت (سمجھ) معتبر نہیں'' غیر مقلدین حضرات کا عقیدہ و مسلک یہ ہے کہ کتاب وسنت اور دین میں صحابہ کرامؓ کے علم و فہم کا اعتبار نہیں پھر صحابہ کرامؓ سے اعتماد اُٹھانے اور اس مقدس جماعت کے بارے میں بداعتمادی پیدا کرنے کے لیے موصوف جونا گڑھی صاحب نے حضرت عدی بن حاتمؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے **حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود** کی آیت میں **خیط ابیض** و **خیط اسود** سے سفید وسیاہ دھاگہ مراد لیا ہے جبکہ اللہ و رسول کی مراد صبح صادق اور صبح کاذب تھی اس واقعہ سے نتیجہ یہ نکالا۔ ''پس حضرت عدی کی فہم مرادِ اللہ و رسول کے خلاف تھی گو آیت درست، صحیح اور ایمان لانے کے لائق ہے پس روایت صحیح اور درایت غلط اور دونوں میں فرق ظاہر، اسی طرح کی کھلی کھلی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین حضرات بھی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کی مراد سمجھنے کی ضرورت ہے اور کتاب وسنت کی مراد تک پہنچنے کے لیے قرآن کریم میں غور وفکر اور تدبر بہت ضروری ہے لیکن کتاب وسنت میں تدبر اور غور فکر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فہمِ قرآن اور فہمِ دین حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ یہ وہ نکتۂ سوال ہے جس کے جواب میں اہلِ سنت والجماعت اور عرفی وغیر عرفی غیر مقلدین (یعنی غیر مقلدین ''اہلِ حدیث'' اور ان کے ہم خیال دوسرے لوگ) کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو جاتی ہے اور دونوں کی راہیں جدا جدا ہو جاتی ہیں اور جب دونوں فریق دین فہمی اور کتاب وسنت میں تحقیق و تدبر کے لیے اپنے اپنے راستہ پر مختلف سمتوں کی طرف رواں دواں چلتے ہیں تو اہلِ سنت والجاعت اور غیر مقلدین کے درمیان عقائد و مسائل کے اعتبار سے اتنے فاصلے بڑھ جاتے ہیں اور ان کے درمیان اتنی دُوری پیدا ہو جاتی ہے جیسے بُعد المشرقین والمغربین۔

اہلِ سنت والجماعت کا طریق یہ ہے کہ آزادانہ تحقیق کرنے کے بجائے صحابہ کرامؓ ،تابعینؒ ، تبع تابعینؒ خصوصاً ان میں سے مجتہدین اور فقہاء کرام نے جو کتاب وسنت کی تحقیق کی ہے اور انہوں نے جو کتاب وسنت کو سمجھا ہے اس کو بطورِ شرح اور بطورِ رموز سامنے رکھ کر ان اکابرینِ اُمت کی رہبری ورہنمائی میں کتاب وسنت اور دین کو سمجھا جائے اگرچہ صحابہ کرام اور بعد کے مجتہدین حضرات معصوم نہیں ان سے غلطی ممکن ہے لیکن ہمارے مقابلہ میں ان میں غلطی کا امکان بہت کم ہے ان میں ۹۵ فیصد درستی اور ۵ فی صد غلطی کا امکان جبکہ ہما وشما کے فہم میں ۹۵ فیصد غلطی اور ۵ فی صد درستی کا امکان ہوتا ہے اس لیے ہمارے فہم کے مقابلہ میں بہر صورت صحابہ کرام کے فہم کو ترجیح ہوگی اور اُن کا فہم ہمارے فہم پر مقدم ہوگا لیکن عجیب بات ہے کہ شاگردانِ رسول یعنی صحابہ کرام کی کتاب وسنت میں درایت وسمجھ معتبر نہیں اور اُن کا فہمِ دین بھی معتبر نہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ہر غیر مقلد کا اپنا فہم معتبر و حجت ہے ایک غیر مقلد کہنے لگا کہ ہماری سمجھ کا بھی کوئی اعتبار نہیں میں نے کہ سبحان اللہ صحابہ کرام کا فہم بھی غیر معتبر اور ہمارے فہم وسمجھ کا اعتبار بھی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب وسنت اور دین کے لیے سمجھ اور فہم کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کتاب وسنت کے پڑھنے اور دین سمجھنے سے پہلے بے سمجھ ہونے کی سند ضروری ہوئی اور اگر صحابہ کرام کے فہم کا اعتبار نہیں کہ اس میں غلطی کا امکان ہے مگر ہر غیر مقلد کے اپنے فہم کا اعتبار ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ہر غیر مقلد اپنے فہم وسمجھ کو فہمِ رسول کی طرح غلطی سے مبرا اور معصوم سمجھتا ہے اور اگر اس میں بھی غلطی کا امکان ہے تو پھر فرق بتایا جائے کہ امکانِ غلطی کی وجہ سے صحابہ کرام کا فہم تو معتبر نہیں مگر غیر مقلدین کا اپنا فہم کیوں معتبر؟ جبکہ فہمِ صحابہ میں ۵ فیصد غلطی کا امکان ہے اور ۹۵ فیصد درستی کا جبکہ فہمِ غیر مقلدین میں ۵ فی صد درستی کا اور ۹۵ فیصد غلطی کا امکان ہے ۔ صحابہ کرام کتاب وسنت کے ماہرین ہیں اور ماہرینِ شریعت ہیں ان کے مقابلہ میں باقی لوگ غیر ماہرین ہیں معصوم وغیر معصوم ہونے سے قطع نظر قاعدہ یہ ہے کہ ہمیشہ غیر ماہرین کے مقابلہ میں ماہرین کی رائے اور اُن کے علم وفہم کا زیادہ اعتبار ہوتا ہے حتی کہ غیر ماہرین اس فن کے ماہرین پر اعتماد کرتے ہیں لیکن جب غیر مقلدین اپنے فہم کے مقابلہ میں صحابہ کرام کے علم وفہم کا اعتبار نہیں کرتے تو وہ گویا صحابہ کرام کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کتاب وسنت کا زیادہ ماہر ہونے کے دعوی رکھتے ہیں ۔ زبانی نہ سہی مگر اُن کا عمل اور مذکورہ بالا نظریہ یہی بتا رہا ہے اور اگر صحابہ کرام کو ہی اپنے مقابلہ میں کتاب وسنت کا ماہر اور اپنے کو غیر ماہر سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کے مقابلہ میں اپنے فہم کو معتبر اور اُن کے فہم کو غیر معتبر سمجھتے ہیں تو یہ دنیا کے اس مسلمہ قانون سے انحراف ہے کہ ہمیشہ غیر ماہرین کے مقابلہ میں ماہرین کی رائے معتبر ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ صحابہ کرام کے فہم میں غلطی کا امکان ہے اس کے باوجود قرآن کریم میں صحابہ کرام کو دوسروں کے لیے نمونہ اور معیارِ حق قرار دیا ہے فرمایا آمنوا کما آمن الناس ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ یعنی صحابہ ایمان لائے ۔ نیز صحابہ کرام کے متبعین کو رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اور جنت و فوز عظیم کی بشارت دی جاتی ہے ۔ والذین

اتبعوهم باحسان رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی جماعت کی علامت یہ بتائی ما انا علیه و اصحابی لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین حضرات صحابہ کرام کو معیارِ حق ماننا تو کجا، ان کی اتباع واطاعت تو کجا، ان کے علم وفہم کو حجت اور قابلِ اعتبار سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں بلکہ اُن کے غیر معتبر ہونے پر من گھڑت دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے علم وفہم کو غیر معتبر اور مشکوک بنانے کے لیے شکوک وشبہات اور وساوس پیدا کیے جاتے ہیں لہٰذا صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا یہ نظریہ کتاب وسنت اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔

قرآن کریم میں تقریباً ۲۲ کے قریب آیات ایسی ہیں کہ اِدھر حضرت عمر فاروقؓ نے رائے پیش کی اُدھر عرش والے نے اس رائے کو اتنا پسند کیا کہ اس کو وحی کو صورت دے کر قرآن کا حصہ بنا دیا۔ عمر فاروقؓ نے مشورہ دیا یا رسول اللہ! مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنایا جائے حکم آگیا واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے رائے دی حضرت اس منافق کا جنازہ نہ پڑھایئے مگر حضور نبی اکرم ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تیار ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرآن نازل ہوگیا ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ان اللّٰہ تعالیٰ جعل الحق علیٰ لسان عمرو قلبه (بے شک اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کے قلب وزبان پر حق جاری کر دیا ہے لیکن ان واضح ارشادات کے باوجود موصوف جونا گڑھی طریق محمدی نمبر ۷۸ پر رقمطراز ہیں ''پس آؤ سنو! بہت سے صاف صاف موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان میں غلطی کی اور ہمارا آپ کا اتفاق ہے کہ فی الوقع ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروقؓ بے خبر تھے'' اور شمع محمدی ص ۱۹ پر جلی سرخی قائم کی ''حضرت فاروق کی سمجھ کا معتبر نہ ہونا'' غیر مقلدین کے ہاں مولانا جونا گڑھی معمولی شخصیت نہیں بلکہ ان کے ہاں غیر معمولی شخصیت ہیں حتی کہ سعودی عرب سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حج کے موقع پر ان کی تفسیر حجاج میں مفت تقسیم ہوتی ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ اجتہاد میں آپ نے افراط وتفریط ملاحظہ کیا کہ ایک طرف تو کتاب وسنت اور دین صحابہ کرام کی رائے اور اُن کے فہم کا اعتبار نہیں حتی کہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بغیر وحی کے اپنے اجتہاد سے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں دوسری طرف عرفی وغیر عرفی غیر مقلد خود تحقیق کرنے کا دعویدار ہے اور جو اس کو سمجھ آئے وہ اس کو حرفِ آخر سمجھتا ہے اس مقابلہ میں صحابہ کرام تو اپنی جگہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سمجھ بھی العیاذ باللہ حجت نہیں ایک۔ مرتبہ ایک غیر مقلد نوجوان نے اپنے لیے حقِ اجتہاد ثابت کرنے کے لیے دلیل دی کہ دیکھیے جناب! اگر کسی نمازی کو قبلہ کا پتہ نہ چل رہا ہو تو آپ بھی کہتے ہیں کہ وہ نماز قبلہ کے بارے میں اجتہاد کرے اور اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد پر عمل کرے میں نے کہا اگر اجتہاد محسوس چیزوں کی تلاش وجستجو کا نام ہے تو پھر چوہا آپ سے بڑا مجتہد ہے جب اس کو مارنے پکڑنے کے لیے کوئی اس

کے پیچھے لگتا ہے تو وہ کس طرح ادھر اُدھر دوڑتا ہے اپنی پناہ گاہیں تلاش کرتا ہے کبھی اوپر چڑھتا ہے کبھی نیچے اُترتا ہے کبھی یہاں چھپا کبھی وہاں حتی کہ مارنے والے کو تھکا دیتا ہے اور بعض دفعہ کوئی طرح دے کر بھاگ جاتا ہے میں نے بتایا کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے ذریعے کتاب وسنت میں غور کر کے شرعی حکم تلاش کرتا ہے باقی امورِ حِسّیہ کی جستجو وتلاش کرنا شرعی اجتہاد نہیں قبلہ کس سمت میں ہے یہ ایک حسی چیز ہے اس کے بارے میں سوچنا اور سوچ کر جس سمت میں قبلہ ہونے کا ظن غالب ہو اُدھر منہ کر کے نماز پڑھنا اس کا مجتہدین اور فقہاء کرام کے اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ یقیناً اس کو یہ پٹی کسی جاہل مجتہد نے غیر مقلد مولوی نے پڑھائی ہوگی اور اس دھوکہ سے اس کو اجتہاد کی لائن پر لگا دیا اب وہ اپنے اجتہاد کو قابلِ عمل قابلِ اعتبار اور اپنے لیے حجت سمجھتا ہے لیکن العیاذ باللہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے اجتہاد ورائے قابلِ عمل اور حجت نہیں مانتا۔ اس افراط وتفریط کے درمیان زمانہ حال کے مطابق راہ اعتدال بھی ملاحظہ کیجیے .... چونکہ قیامت تک جدید حالات کی وجہ سے جدید مسائل کا پیدا ہونا ناگزیر ہے اور ہر مسئلہ کتاب وسنت میں صراحتاً موجود نہیں ہوتا لہٰذا ان مسائل کو اجتہاد کے ذریعہ حل کیا جائے گا نتیجہ یہ کہ جدید مسائل اور اجتہاد کے دونوں سلسلے قیامت تک چلتے رہیں گے سلسلہ اجتہاد میں چند امور کا التزام ازبس ضروری ہے :

(۱) اجتہادی اہلیت کی کمی اور شرائط اجتہاد کے فقدان کی وجہ سے نیز وحدت اُمت کے تقاضا کے پیشِ نظر انفرادی اجتہاد کی بجائے شورائی واجتماعی اجتہاد کی صورت اختیار کی جائے۔

(۲) شورائی میں وقت کے ماہر ترین صاحب رائے متقی، مخلص، جرأت مند علماء کو لیا جائے۔

(۳) شورٰی شرعی فیصلہ طے کرنے میں خود مختار ہو حکومت کے زیرِ اثر نہ ہو پس حکومت شورٰی کے فیصلوں کی پابند ہو مگر شورٰی فیصلہ کرنے میں حکومت کی پابند نہ ہو۔

(۴) علماء کی یہ شورٰی بوقتِ ضرورت جدید علوم کے دیندار ماہرین حضرات سے بھی استفادہ کرے۔

(۵) جدید مسائل کو سابق مجتہدین کے اُصولوں کی پابندی میں رہتے ہوئے حل کیا جائے کیونکہ اجتہاد فی الاصول کے لیے جتنی اعلیٰ اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے اس کا وجود اور حصول اجتماعی طور پر بھی ممکن ہے۔

(۶) اگلے مجتہدین وفقہاء کے طے شدہ مسائل کو از سرِ نو زیرِ بحث نہ لایا جائے ورنہ اس سے لامحدود اختلافات پیدا ہو جائیں گے اور وحدت اُمت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ نیز آجکل کے ناقصین کو ان کاملین کے حل شدہ مسائل وتحقیقات کو پرکھنے کی اجازت دی جائے تو یہ ایسے ہوگا جیسے ایم اے کے پرچے کو مڈل پاس اور ڈاکٹری کے پرچے کو ڈسپنسر چیک کرے یا عالم وفاضل کو امتحان کے لیے کسی جاہل کے حوالے کر دیا جائے یہ یقیناً عقل وفطرت اور شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔

(۷) اگر ممبران شورٰی کے علاوہ کوئی صاحب کسی مسئلہ کے متعلق اپنی رائے رکھتے ہوں تو وہ اپنی رائے شورٰی

کے سامنے پیش کریں اس کے متعلق شوریٰ جو فیصلہ دے گی وہ حرفِ آخر ہوگا اور وہی قابلِ عمل ۔اس کے مقابلہ میں کسی کی انفرادی رائے کی کوئی وقعت واہمیت نہ ہوگی ، ہاں ایسا شخص اپنی ذات کی حد تک بے شک اپنی ذاتی رائے پر قائم رہے لیکن اس انفرادی رائے کی بنیاد پر کوئی جماعت بنانے یا اپنا لٹریچر پھیلا کر افراتفری پھیلانے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے ۔

(۸) دین کے بارے میں ہر ایک کی رائے زنی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جائے یہ ہے مسئلہ اجتہاد میں راہِ اعتدال ،اس کے مطابق سابق مجتہدین حضرات کا تقدس واحترام بھی باقی رہے گا اُمت میں اتحاد واتفاق کی فضا بھی برقرار رہے گی اور کتاب وسنت اور دین وشریعت نااہل مجتہدین اور جاہل محققین کے ہاتھوں بازیچہ اطفال بننے سے بھی محفوظ رہے گا اور اس باوقار طریقہ کے ساتھ جدید مسائل بھی حل ہوتے رہیں گے ۔

(۲) اکمالِ دین ادلہ اربعہ کی صورت میں :

اکمالِ دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ شرعی احکامات کے مآخذ واصول چار ہیں ۔کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماعِ اُمت ، قیاس شرعی ۔شریعت کے بعض احکام کتاب اللہ سے بعض سنت رسول اللہ سے کچھ اجماعِ اُمت سے اور کچھ قیاس شرعی سے ثابت ہیں جب دین کا ہر قدیم وجدید مسئلہ ان ادلۂ اربعہ شرعیہ کے ذریعہ حل ہوجاتا ہے اور کوئی بھی ایسا دینی وشرعی مسئلہ نہیں جو اِن ادلۂ اربعہ میں سے کسی نہ کسی دلیل سے حل نہ ہوتو دینِ اسلام اپنے اِن مآخذ اور اصولوں کے اعتبار سے کامل ومکمل ہوا قیامت تک پیش آمدہ مسائل ان چار دلیلوں کے ذریعے حل ہوتے رہیں ہم اپنے اس مدعٰی کو چند مثالوں کے ذریعے واضح کرتے ہیں :

مثال نمبرا : قرآن کریم میں ہے **یا یھا الذین آمنوا رکعوا واسجدوا** (اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو) پس رکوع سجدے کا حکم قرآن کریم سے ثابت ہوا لیکن رکوع میں کیا پڑھیں اور کون سی تسبیح پڑھیں ؟ یہ حکم قرآن کریم میں نہیں ۔حدیث پاک میں ہے کہ رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** کم از کم تین مرتبہ کہیں لیکن یہ تسبیحات بلند آواز سے کہی جائیں یا آہستہ ؟ یہ حکم نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ۔ہاں یہ حکم اجماع سے ثابت ہے کہ محمدی اُمت کا عملی تواتر اجماعِ عملی ہے کہ وہ رکوع وسجود میں تسبیحات آہستہ کہتے ہیں پھر رکوع وسجود اور ان میں تسبیح کہنے کی نیز تسبیح آہستہ کہنے کی شرعی حیثیت کیا ہے یعنی فرض ہے یا سنت یا واجب ؟ یہ حکم مذکورہ بالا تینوں ادلہ میں سے کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں ۔ان کی شرعی حیثیت قیاسی شرعی سے ثابت ہے مجتہدین نے قیاس شرعی اور اپنے اجتہادی اُصولوں کے تحت بتایا کہ رکوع وسجدہ فرض ہے مگر رکوع وسجدہ میں تسبیح کہنا اور آہستہ کہنا سنت ہے ۔پس اگر کسی نے نماز میں رکوع یا سجدہ چھوڑ دیا تو اس کی نماز باطل ہے کہ فرض کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور اگر رکوع یا سجدہ میں تسبیح چھوٹ گئی یا بلند

آواز سے کہہ دی تو نماز ہو جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنے یا سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس نے چونکہ سنت کو ترک کیا ہے اس لیے ترکِ سنت کی وجہ سے نماز کا درجہ وثواب کم ہو جائے گا پس جو لوگ (یعنی منکرین حدیث اور منکرین فقہ) ان چار دلیلوں کو شرعی حجت نہیں مانتے اُن کا پورا دین تو کیا مکمل ہوگا اُن کی تو نماز کی ایک رکعت بھی ادلۂ اربعہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

مثال نمبر۲ : قرآن کریم میں ہے **واقیموا الصلٰوۃ** (اور قائم کرو نماز) اس سے پتہ چل گیا کہ نماز فرض ہے سو نماز کا فرض ہونا قرآن سے ثابت ہے لیکن نماز شروع کیسے کریں اور ختم کیسے کریں؟ اسکا طریقہ قرآن کریم میں نہیں بتایا گیا یہ طریقہ حدیثِ رسول اللہ نے بتلایا ہے، حدیث پاک میں ہے **تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم** یعنی نماز کا آغاز تکبیر سے ہے اور اختتام سلام سے ہے لیکن تکبیر تحریمہ اور سلام مقتدی اور منفرد بلند آواز سے کہیں یا آہستہ؟ یہ مسئلہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں البتہ اجماع سے ثابت ہے کہ اُمت کا عملی تواتر اور عملی اجماع اسی پر ہے کہ مقتدی ومنفرد تکبیر تحریمہ اور سلام آہستہ کہتے ہیں پھر تکبیر تحریمہ اور سلام کہنے اور مقتدی ومنفرد کے حق میں ان کے اخفاء کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سے مذکورہ بالا تینوں ادلۂ ساکت ہیں لیکن یہ مسئلہ قیاس شرعی سے ثابت ہے، مجتہدین نے اپنے قیاس شرعی اور اجتہادی اصولوں کے تحت بتایا کہ تکبیر تحریمہ زبان سے کہنا فرض ہے اور سلام زبان سے کہنا واجب ہے اس لیے اگر کسی نے بھول کر زبان سے تکبیر تحریمہ نہ کہی تو اس کی نماز باطل ہے اور اس پر نماز کا اعادہ فرض ہے اور اگر سلام چھوڑ دیا زبان سے نہ کہا تو فرض کی حد تک نماز ادا ہوگئی مگر ترکِ واجب کی وجہ سے اس کا اعادہ واجب ہے لیکن امام کا تکبیر تحریمہ وسلام کو بلند آواز سے کہنا اور مقتدی ومنفرد کا آہستہ کہنا سنت ہے اس لیے اس سنت کے ترک کی وجہ سے نماز کا درجہ کم ہوگا مگر نماز ادا ہوگئی اس پر اعادہ نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے اور نہ ہی سجدہ سہو واجب ہے۔ اب جو لوگ صرف قرآن یا صرف قرآن وحدیث کو حجت مانتے ہیں وہ بے چارے پہلے تو نماز شروع کر نہیں سکتے کیونکہ نماز شروع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نمازی کو معلوم ہو کہ وہ تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہے یا آہستہ کیونکہ تکبیر تحریمہ کہنے میں یہ دو احتمال ہیں بلند یا آہستہ جب تکبیر تحریمہ کہنے کی یہ کیفیت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو وہ نماز کو شروع ہی نہیں کر سکتا اور اگر شروع کر بیٹھا تو پھر ختم نہیں کر سکتا کیونکہ نماز ختم ہوتی ہے سلام سے اور سلام بھی مقتدی اور منفرد آہستہ کہیں گے یا بلند اس کی کیفیت معلوم ہونی چاہیے کیفیت معلوم ہوگی تو اس کے مطابق سلام پھیریں گے جب سلام کی کیفیت بھی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو یہ نہ سلام کہہ سکیں گے اور نہ ان کی نماز ختم ہوگی۔

مثال نمبر۳ : نماز کا فرض ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے مگر ہر نماز کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ یہ کتاب اللہ میں مذکور نہیں اس کی تفصیل حدیث پاک میں ہے پھر ان رکعات میں سے ہر نماز کی فرض رکعات کتنی ہیں سنت رکعتیں کتنی

ہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکرنہیں ، یہ تفصیل فرمانِ خدا اور فرمانِ رسول سے ثابت نہیں ہے۔ یہ ساری تفصیل اجماع سے ثابت ہے اجماع اُمّت ہے کہ ظہر کی چار رکعت فرض باقی سنت ،عصر کی چار رکعت فرض باقی سنت، مغرب کی تین رکعت فرض باقی سنت ،عشاء کے چار فرض ہیں تین وتر واجب یا سنت ہیں باقی رکعات سنت ہیں فجر میں دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض ہیں۔ پھر سنت رکعات میں سے کتنی رکعات اور کون کون سی رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور کون سی سنتِ غیر مؤکدہ ہیں؟ سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ میں ادائیگی کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ اگر سنت مؤکدہ فوت ہوجائیں اور فرض پڑھ لیں تو اکیلی سنتوں کی قضا ہے یا نہیں؟ آخری تینوں اُمور قیاس شرعی سے ثابت ہیں سنت غیر مؤکدہ چار رکعت ہوں تو صرف درمیان والے قعدہ میں سلام نہیں پھیرنا ورنہ بعد والی دو رکعت بھی پہلی دو رکعت کی طرح پڑھنی ہیں یعنی درمیان والے قعدہ میں تشہد درود اور دُعا تک پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہو کر نماز ثنا سے شروع کریں جبکہ سنت غیر مؤکدہ میں درمیان والے قعدہ میں درود دُعاء نہیں پڑھے جاتے اور تیسری رکعت کو ثنا سے نہیں شروع کیا جاتا ، فجر کی سنتوں کی زوال تک قضا ہے اس کے بعد قضا نہیں اور باقی سنتوں کی قضا نہیں ہے یہ بھی واضح رہے کہ چونکہ اجماع وقیاس کا حجت ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے اور کتاب وسنت نے ہی اجماع وقیاس کی طرف رہنمائی کی ہے ....اس لیے کتاب وسنت کے ساتھ اجماع وقیاس کا اعتبار کرنے سے اگر دین مکمل ہوتا ہے تو اس سے کتاب وسنت کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا بلکہ کتاب وسنت کا کامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دعوت الی الحق :

منکرین حدیث جو قرآن کا نام لے کر حدیث کا انکار کرتے ہیں دین کے لیے قرآن کو کافی قرار دیتے ہیں اور اپنا لقب ''اہلِ قرآن'' رکھتے ہیں نیز منکرین فقہ یعنی اہلِ حدیث جو حدیث کا نام لے کر اجماع ،قیاس شرعی اور فقہ کا انکار کرتے ہیں اپنے آپ کو''اہلِ حدیث'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اُن کا دعویٰ ونعرہ ہے اہلِ حدیث کے دو اصول فرمانِ خدا فرمانِ رسول۔ ہم ان دونوں فرقوں سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ لوگ اکمالِ دین کا دعوی بھی کرتے ہیں اور شریعت کے اصول اربعہ کا انکار بھی کرتے ہیں اگر آپ حضرات اکمالِ دین کے دعوی میں سچے ہیں تو اس کا تقاضا ہے کہ اصولِ اربعہ کو مان لیں اور اگر اصول اربعہ کے انکار پر اصرار ہے تو پھر اکمالِ دین کے دعوی سے دستبردار ہو جائیں کہ اصولِ اربعہ میں سے تین یا دو کے انکار کے بعد اکمالِ دین ناممکن ہے اور مضحکہ خیز ہے۔

✡✡✡

آپ کے دینی مسائل

☆

﴿ نماز پڑھنے کا طریقہ ﴾

نماز کی سنتیں :

(۱) تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا۔ مردوں کا کانوں کی لو تک اور عورتوں کا کندھوں تک۔ اسی طرح قنوت، عیدین کی زائد تکبیروں اور نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھانا سنت ہے۔

تنبیہ : اس کے ثبوت کی دلیل یہ حدیثیں ہیں۔

(الف) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ. (اعلاء السنن ص ۱۵۸ ج ۲)

رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے مقابل کر لیتے۔

(ب) عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ (آثار السنن ص ۸۲)

رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ اُن کو اپنے کانوں کے اطراف کے مقابل کر لیتے۔

(ج) کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ (آثار السنن ص ۸۲)

نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ آپ اُن کو اپنے کندھوں کے مقابل کر لیتے۔

ان تینوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کانوں کی لو تک اپنے انگوٹھے اُٹھاتے تھے۔ اس صورت میں ہاتھوں کی انگلیاں کانوں کے اطراف کے مقابل ہوتی ہیں اور ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل ہوتی ہیں۔

عورتوں کے ہاتھ اُٹھانے کی حد کے بارے میں یہ حدیثیں ہیں :

(الف) عَنْ عَبْدِرَبِّهٖ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ اُمَّ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا تَرْفَعُ يَدَيْهَا فِی الصَّلٰوةِ حَذْوَمَنْكِبَيْهَا (اعلاء السنن ص ۱۵۷ ج ۲)

عبدربہ کہتے ہیں میں نے حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ نماز میں اپنے ہاتھ کندھوں تک اُٹھاتی تھیں۔

(ب) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا ابْنَ حُجْرٍ اِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْکَ حِذَاءَ اُذُنَيْکَ وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا (اعلاء السنن ص ۱۵۶ ج ۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن حجر نماز میں عورت اپنے ہاتھ اپنے سینے تک اُٹھائے۔

مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیاں سینے تک اُٹھائے، اس صورت میں اُنگلیاں کندھوں کے مقابل ہوں گی۔

(۲) ہاتھ اُٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں اپنے حال پر کھلی رکھنا کہ نہ بہت ملی ہوئی ہوں اور نہ بہت کھلی ہوئی ہوں۔

(۳) انگلیوں اور ہتھیلیوں کا قبلہ رُخ رکھنا۔

(۴) تکبیر تحریمہ کے بعد مردوں کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اس طرح کہ دائیں ہتھیلی بائیں کلائی کے جوڑ پر رہے۔ دائیں انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ بنا کر کلائی کو پکڑے، باقی داہنی تین اُنگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر رہیں۔ اور عورتیں اپنے ہاتھ سینے پر رکھیں اس طرح کہ داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھیں اور حلقہ نہ بنائیں۔

تنبیہ : اس کے ثبوت کی دلیل یہ حدیثیں ہیں :

(الف) عَنْ وَائِلِ بن حُجْرٍ قَالَ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰی عَلٰی ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰی وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدِ (آثار السنن ص ۸۳)

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت اور پہنچے اور بازو پر رکھا۔

(ب) عَنْ هُلْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّنَا فَيَاْخُذُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ.

رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔

ان دو حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنی دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں

کو بائیں پہنچے اور بازو پر رکھے پھر پکڑنا چونکہ اُنگلیوں سے ہوتا ہے لہٰذا دائیں انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کو پکڑے۔

ہمارے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل ہے اور راجح ہے جس کی دلیل یہ ہے :

عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه رضی اللّٰه عنه قال رایت النبی ﷺ وضع یمینه علٰی شماله فی الصّلوٰة تحت السرة (اعلاء السنن ص ۱۷۰ ج ۲)

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں ناف کے نیچے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔

عورت اپنے ہاتھ سینے پر باندھے کیونکہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عورت کی نماز کے بارے میں اشاد ہے :

اذا سجدت الصقت بطنها بفخذیها کا ستر مایکون لها (کنز العمال ص ۱۱۷ ج ۴)

عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چپکا لے ایسے طور پر کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ کا موجب ہو۔

نیز فرمایا :

فانّ المرأة لیست فی ذالک کالرّ جل (مراسیل ابی داؤد ص ۸)

عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے (بلکہ عورت کو اپنے افعال میں پردہ کا لحاظ رکھنا ہوگا)

(۵) پہلی رکعت میں ثناء یعنی **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** پڑھنا۔

(۶) صرف پہلی رکعت میں قراءت کے لیے **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ** پڑھنا اور ہر رکعت کے شروع میں **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** پڑھنا۔

(۷) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

(۸) ہر رکعت میں الحمد کے بعد امام اور منفرد کو آمین کہنا۔ قراءت بلند آواز سے ہو تو سب مقتدیوں کو بھی آہستہ آواز سے آمین کہنا۔

(۹) ثناء، تعوذ، بسم اللہ اور آمین آہستہ کہنا۔

(۱۰) سنت کے موافق قراءت کرنا۔

مسئلہ : اگر سفر کی حالت ہو یا کوئی ضرورت درپیش ہو تو اختیار ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت چاہے پڑھے۔ اگر سفر اور ضرورت کی حالت نہ ہو تو فجر اور ظہر کی نماز میں سورۂ حجرات اور سورۂ بروج اور ان کے درمیان کی سورتوں میں

سے جس سورت کو چاہے پڑھے۔ فجر کی پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری رکعت کے بڑی سورت ہونی چاہیے۔ باقی اوقات میں دونوں رکعتوں کی سورتیں برابر ہونی چاہیں ایک دو آیت کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں۔ عصر اور عشاء کی نماز میں **والسماء والطارق** اور **لم یکن** اور ان کے درمیان کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھنی چاہیے۔ مغرب کی نماز میں **اذا زلزلت** سے آخر تک۔

(۱۱) صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت کی قراءت کو دوسری سے لمبی کرنا۔

(۱۲) رکوع میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہنا۔

(۱۳) رکوع میں مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی پیٹھ کو بچھادیں اور سر کو پشت کی سیدھ میں رکھیں۔ دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑیں، پنڈلیوں کو سیدھا رکھیں، گھٹنوں کو خم نہ دیں اور بازوؤں کو پہلوؤں سے جُدا رکھیں۔

تنبیہ : عورتوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ صرف اس قدر جھکیں کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، کمر سیدھی نہ بچھائیں، ہاتھ کی اُنگلیاں ملی ہوئی ہوں، گھٹنوں پر صرف ہاتھ رکھ دیں زور نہ دیں۔ گھٹنوں میں خم رکھیں مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کریں اور بازو پہلو سے ملے رہیں۔

(۱۴) رکوع سے اُٹھتے وقت امام کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور سیدھے کھڑے ہو کر مقتدی کو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہنا اور منفرد کو یہ دونوں کہنا۔

(۱۵) ایک رُکن سے دوسرے رُکن کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا۔

(۱۶) سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی پھر ناک رکھنا جبکہ بعض کے نزدیک پہلے ناک رکھے پھر پیشانی رکھے اور سجدے سے اُٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔

(۱۷) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کو ملا کر رکھنا اور قبلہ رُخ رکھنا اور دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کرنا اور اپنے بازوؤں سے جُدا رکھنا اور کہنیوں کو زمین سے اُونچا رکھنا اور پیٹ کو رانوں سے جُدا رکھنا مردوں کے لیے سنت ہے۔

تنبیہ : عورت کے لیے سجدہ میں سنت یہ ہے کہ وہ بازو پہلوؤں سے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں اور کہنیاں زمین سے ملائے اور پاؤں کھڑے نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ **اذا سجدت الصقت بطنها بفخذيها كاستر مايكون لها** (عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ رانوں سے چپکا لے ایسے طور پر کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ کا موجب ہو)۔

(۱۸) ہر سجدہ میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا۔ (باقی صفحہ ۳۴)

حاصلِ مطالعہ

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل جامعہ مدنیہ ﴾

بے ادب بے نصیب :

ہماری شریعت میں ہر چیز کے آداب سکھلائے گئے ہیں اور آداب بجالانے پر زور دیا گیا ہے جو آداب بجالاتا ہے وہ سعادت مند قرار پاتا ہے اور جو آداب بجا نہیں لاتا وہ بدنصیب اور محروم سمجھا جاتا ہے۔ اسی بات کو بتلانے کے لیے یہ محاورہ مشہور ہوا ہے ''بے ادب بے نصیب باادب بانصیب'' یعنی بے ادب شخص بدنصیب اور محروم ہوتا ہے اور باادب شخص جو ادب و آداب بجالاتا ہے وہ نصیبہ ور ہوتا ہے اسی کو فارسی کے اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ ؎

از خدا جوئیم توفیقِ ادب   بے ادب محروم گشت از لطف رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیونکہ بے ادب رب تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم ہوتا ہے۔

قبلہ کی طرف تھوکنا بے ادبی ہے :

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا تھا اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہارِ ناراضگی فرمایا تھا، پوری حدیث اس طرح ہے :

''عن ابی سھلۃ السائب بن خلاد قال احمد من اصحاب النبی ﷺ انَّ رجلاً اَمَّ قوماً فبصق فی القبلۃ، ورسول اللّٰہ ﷺ ینظر فقال رسول اللّٰہ ﷺ حین فرغ لا یصلی لکم. فاَراد بَعد ذالک ان یصلی لھم فمنعوہ واخبروہ بقول رسول اللّٰہ ﷺ، فذکر ذالک لرسول اللّٰہ ﷺ فقال نعم وحسبت انہ قال آذیتَ اللّٰہ ورسولہ ﷺ'' [۱]

حضرت ابوسہلہ بن سائب رضی اللہ عنہ جو بقول حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے صحابہ کرام میں سے تھے اُن سے روایت

---

[۱] ابوداؤد شریف جلد ۱ ص ۶۹

ہے کہ ایک صاحب نے کچھ لوگوں کی امامت کروائی، دورانِ امامت اُنہوں نے قبلہ کی جانب تھوک دیا، رسولِ اکرم ﷺ یہ دیکھ رہے تھے، جب وہ صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ صاحب آئندہ تمہاری امامت نہ کرائیں۔ ان صاحب نے اس واقعہ کے بعد جب دوبارہ اُن لوگوں کی امامت کرانے کا ارادہ کیا تو اُن لوگوں نے اُنھیں روک دیا اور کہا کہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، اُن صاحب نے حضور علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ہاں (میں نے منع کیا ہے) حضرت سائبؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے اُن سے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کو اذیت دی ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جانبِ قبلہ محترم ہے اس کا انتہائی احترام کرنا چاہیے نہ اس کی طرف تھوکنا چاہیے نہ اس کی طرف بلا عذر پاؤں پھیلا نے چاہئیں اور نہ اس کی طرف رُخ کر کے یا پیٹھ کر کے بول و براز کرنا چاہیے۔ ہمارے اسلاف نے اس رمز کو سمجھا تھا وہ معمولی معمولی آداب کا بھی خیال رکھتے تھے اور ایسے لوگوں سے بچتے تھے جنھیں شعائر اللہ کے آداب کا خیال نہیں ہوتا تھا۔

امام قشیری رحمہ اللہ (م: ۴۶۵ھ) سرخیلِ صوفیاء حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ (م: ۲۶۱ھ) کا ایک واقعہ اپنی سند سے ذکر فرماتے ہیں کہ:

"عَمّی بسطامیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرمار ہے تھے کہ مجھ سے حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا: چلو ذرا چل کر اس بندہ کی زیارت کر آئیں جس نے اپنے بارہ میں مشہور کر رکھا ہے کہ اُسے ولایت حاصل ہے، زہد و عبادت میں بھی اس کی بڑی شہرت ہے چنانچہ ہم اس کی زیارت کو چلے، جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ صاحب گھر سے مسجد میں آئے اور آتے ہوئے راستے میں انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا، یہ دیکھ کر حضرت بایزید بسطامیؒ واپس چلے آئے اور اُسے سلام تک نہیں کیا، فرمایا: جو شخص رسول اکرم ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب کا بھی خیال نہیں رکھ سکتا وہ اس چیز (ولایت) کا کیا خیال کرے گا جس کا وہ دعویدار ہے"[1]!

ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟ ہمارے اسلاف کا یہ حال تھا کہ وہ شریعت کے ایک معمولی سے ادب میں کوتاہی کرنے والے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم صریح حرام کاموں میں مبتلا اشخاص کو بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اُنھیں مقتدا و پیشوا بنالیتے ہیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا است

---

[1] الرسالة القشيرية عربی ص ۱۵

پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے :

مندرجہ بالا عنوان علامہ اقبال مرحوم کے مشہور شعر کا ایک مصرع ہے، پورا شعر اس طرح ہے :

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے　　　پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ شعر علامہ اقبال نے تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام سے متعلق کہا تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں فتنۂ تاتار کسی قیامت سے کم نہ تھا، تاتاری عالم اسلام کو بری طرح روندتے چلے جارہے تھے قریب تھا کہ سارا عالمِ اسلام اُن کے سیلاب میں بہہ جائے اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے کہ دفعتہً تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام شروع ہوگئی اور جو کام مسلمانوں کی شمشیریں اور مسلمان بادشاہ نہ کرسکے وہ اسلام کے داعیوں اور خدا کے مخلص بندوں نے انجام دیا۔

چنگیز خان کی سلطنت انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی :

(۱) سب سے بڑے بیٹے اوکتائی بن چنگیز خان کی شاخ جو تاتاری سلطنتِ عظمیٰ کے مشرقی حصہ پر قابض تھی۔

(۲) جوجی بن چنگیز خان کی شاخ جو سلطنت کے مغربی حصہ ''سیرا داور'' پر حکمران تھی۔

(۳) چغتائی بن چنگیز خان کی شاخ جو بلادِ متوسطہ (ماوراء النہر، خوازم، کاشغر، بدخشاں، بلخ، غزنیں وغیرہ) پر قابض تھی۔

(۴) سب سے چھوٹے بیٹے تولی بن چنگیز خان کی شاخ جس کی سلطنت دولتِ ایلخانیہ کے نام سے موسوم تھی۔ (ہلاکو خان اسی کا بیٹا تھا)

ان چاروں شاخوں میں برق رفتاری سے اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔

تیسری شاخ میں اشاعتِ اسلام کا سہرا بخارٰی کے ایک بزرگ مولانا جمال الدین بخاریؒ کے سر ہے، اس شاخ میں ان کے ہاتھوں اسلام کی اشاعت کا واقعہ عجیب ہے، نذرِ قارئین کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا طاہر حسن صاحب ناقل ہیں :

> ''تاتاریوں کے ہلاکت خیز زمانہ میں جب خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں اسلامی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور علماء اسلام کی زندگی دوبھر کردی گئی، ایک بزرگ جن کا نام مولانا جمال الدین تھا، اپنا وطن (بخارا) چھوڑ کر کاشغر سے تین سو میل بجانب مشرق ایک آبادی میں جس کا نام ''آق سو'' تھا داخل ہوئے۔ یہاں اس زمانہ میں ایک تاتاری حکمران تغلق تیمور خان حکمران تھا۔ ایک مرتبہ یہ شکار کے لیے نکلا راستہ میں ایک جگہ قیام کیا۔ مولانا جمال الدین اور اُن کے ساتھیوں نے نماز کے لیے اذان دِلوائی، خان کی نیند میں خلل پڑا۔ اس نے غضب ناک ہوکر حکم دیا اور یہ گوشہ نشین

جماعت کشاں کشاں اُس کے سامنے لائی گئی۔ خان نے غصہ کی حالت میں مولانا سے پوچھا کہ تو اچھا ہے یا یہ کُتّا تجھ سے اچھا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر میرے اندر ایمان ہے تو میں اچھا ہوں ورنہ یہ کُتّا مجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ نہ معلوم یہ الفاظ کس دل سے نکلے تھے کہ یکا یک خان کا دل متاثر ہوا اس نے اپنے امیر کو حکم دیا کہ اِن بزرگ کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے عزت کے ساتھ میرے خیمے میں لے آؤ۔ مولانا جمال الدینؒ جب اس کے خیمے میں پہنچے تو اُس نے پوچھا وہ چیز کیا ہے جو انسان کو کُتّے سے بہتر بنا سکتی ہے؟ مولانا نے فرمایا ''اسلام'' اور پھر اسلام کی حقیقت اس طرح بیان کی کہ خان بے اختیار رونے لگا۔ پھر تھوڑا سنبھل کر کہا ابھی میرے اختیارات محدود ہیں۔ جب میں بادشاہ بنوں گا تو آپ ضرور میرے پاس تشریف لائیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت مسلمان ہو جاؤں گا۔

اس ملاقات سے کچھ دن پہلے مولانا نے خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں چراغ لیے کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں جس کی روشنی سے تمام مشرق جگمگا رہا ہے۔ یہ خواب آپ نے اپنے بیٹے ارشد الدین کو سُنایا اور کہا کہ اگر میں تغلق تیمور کی مسند نشینی سے پہلے انتقال کر جاؤں تو تم اسے قبولِ اسلام کا واقعہ ضرور یاد دلانا عجب نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا جمال الدینؒ اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ ۱۳۴۷ء میں امرائے دولت کے متفقہ فیصلہ نے تغلق تیمور خان کو مغلستان کا خاقان تجویز کیا اور وہ بڑے کروفر سے مسند آرائے حکومت ہوا۔ مولانا ارشد الدین یہ خبر سُنتے ہی پایۂ تخت کی طرف روانہ ہو گئے اور خاقان سے ملنا چاہا، مگر رسائی نہ ہوئی، تاہم مولانا اپنے عزم سے دست کش نہ ہوئے۔ آپ ہر روز صبح کے وقت خاقان کے خیمہ کے قریب جاتے اور اس زور سے اذان دیتے کہ تمام وادی گونج اُٹھتی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ خود خاقان کی نیند اُچاٹ ہو گئی۔ آخر ایک دن اس نے حکم دیا کہ اس بے ادب شخص کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ مغل چوب دار اُسی وقت دوڑتے ہوئے گئے اور مولانا کو پکڑے ہوئے خاقان کے سامنے لائے۔ پُوچھا، تم کون شخص ہو کہ جو ہر روز تڑکے ہی میں ہمارے خیمے کے قریب چلّانے لگتے ہو۔ مولانا نے فرمایا میں اسی شخص کا بیٹا ہوں جسے آپ نے ایک موقع پر اسلام قبول کرنے کا قول دیا تھا۔ میرے والد انتقال کر چکے ہیں اور اُن کی وصیت کے مطابق اب میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر تغلق تیمور کو وعدہ یاد آ گیا۔ بستر سے اُٹھ کر مسند پر آ گیا اور مولانا کو پوری

عقیدت سے اپنے پہلو میں جگہ دی پھر کہنے لگا کہ "میں تخت نشینی کے وقت سے آپ کا منتظر تھا، اب آپ آگئے ہیں تو فرمائیے میں کیا کروں" مولانا نے تغلق تیمور کو غسل کا حکم دیا پھر کلمہ پڑھایا اور اس کے ساتھ ہی مشرق کی تمام سرزمین نورِ اسلام کے استقبال کی تیاری کرنے لگی۔ مولانا نے خاقان کو مشورہ دیا کہ سارے مغلستان میں اسلام کی اشاعت کرنی چاہیے اور قرار پایا کہ خاقان ایک ایک امیر کو الگ الگ بُلا کر دینِ حق کی دعوت دے اور رفتہ رفتہ سب کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے کیونکہ سارے ملک کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے میں فساد کا احتمال تھا۔ دوسرے دن پہلا امیر جو خاقان سے ملنے آیا امیر تلیک تھا۔ اس وقت مولانا ارشد الدین بھی خاقان کے پاس بیٹھے تھے۔ امیر تلیک نے اُن پر مستفسرانہ نگاہ ڈالی تو خاقان نے اُن کے تعارف کی رسم ادا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کے ذریعہ میں نے بُت پرستی کو ترک کر دیا ہے کیا اچھا ہو کہ آپ بھی ایک خدا کے آستانہ پر جھک جائیں۔ امیر تلیک یہ الفاظ سن کر زار زار رونے لگا اور آنسو جب ذرا تھمے تو کہنے لگا۔ "جہاں پناہ! میں پہلے ہی اس تیر کا گھائل ہوں۔ تین سال ہوئے جب کاشغر میں تھا تو چند باخدا بزرگوں نے مجھے بھی راستہ دکھایا تھا، میں اسی وقت سے اسلام پر قائم ہوں"۔ خاقان نے جونہی یہ ماجرا سُنا جوشِ مسرت سے بے تاب ہو گیا امیر تلیک کو گلے سے لگا لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے اتنے بڑے امیر کو دستِ راست بنا دیا۔ مغلستان کے تمام امیر اسی طرح ایک ایک کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو گئے اور بالآخر ایک ہی روز میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغل بُت پرستی سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

(ماخوذ از اسلام زندہ باد بحوالہ مولانا علی خاں) "[1]

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ :

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں :

"اس پر مجھے ایک اور حکایت مسموعی (سُنی ہوئی) یاد آئی، حضرت سلطان نظام الدینؒ کی کہ آپ بیمار ہو گئے تھے حتی کہ خدام کو بالکل مایوسی ہو گئی تھی۔ اُس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر

[1] معارف مدنیہ ج ا ص ۳۲۳ طبع مکتبہ رشیدیہ کراچی

کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر دیتا تھا، خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بلالیں، حضرت نے فرمایا کہ ہرگز نہیں اس میں سخت فتنہ ہوگا اور میرا کیا ہے زندہ رہا رہا نہ رہا نہ رہا۔اس کے بعد آپ کو پھر بیہوشی طاری ہوگئی اسی حالتِ بیہوشی میں خدام آپ کو اُس کے گھر لے گئے ،اس کے لیے تو حضرت کا تشریف لے جانا موجب فخر ہوگیا۔فوراً اس نے توجہ کی اور حضرت کا تمام مرض سلب کر دیا اسی وقت حضرت کو افاقہ ہوا آپ نے دیکھا کہ میں ایک ملحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہوگیا ہے آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔اس کو بھی اس نفع کا صلہ دینا چاہیے آپ نے اُس سے پوچھا کہ میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا، اس نے کہا کہ صرف ایک بات ہے وہ یہ کہ میرے گرو نے کہہ دیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا۔بس میں یہی مجاہدہ کرتا ہوں حضرتؒ نے فرمایا کہ سچ کہنا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے کہنے لگا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر اسی قاعدہ کے موافق (مسلمان) ہو جانا چاہیے، کچھ تو حضرتؒ کی توجہ کچھ اس تعلیم کا خیال وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن نہ پڑا اور مسلمان ہوگیا اور حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوکر ساتھ ساتھ ہولیا''۔[1]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ :

مندرجہ بالا عنوان ایک آیت کریمہ کا ٹکڑا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ''ایسے ہی ہم نے بنائے تھے مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دُشمن'' اس آیت کریمہ میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر مشرکینِ مکہ آپ کی دُشمنی پر کمر بستہ ہیں تو اس پر دلگیر نہ ہوں بلکہ صبر سے کام لیں کیونکہ اِن کا آپ کی دُشمنی پر کمر بستہ ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جتنے انبیاء گزرے ہیں اُن کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے، ہم نے آپ سے پہلے گزرنے والے ہر نبی کا جرائم پیشہ افراد میں سے کسی نہ کسی کو دُشمن بنایا تھا وہ نبی اُس کی ایذاؤں پر صبر کرتے تھے لہٰذا آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔

عادۃُ اللہ جاری ہے کہ جو حالات انبیاء کرام پر گزرتے ہیں وہی حالات انبیاء کرامؑ کے چاہنے والوں اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب لوگوں پر بھی پیش آتے ہیں۔علامہ شعرانی رحمہ اللہ (م:۹۷۳ھ) نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ (م:۹۱۱ھ) کے حوالے سے متعدد انبیاء واولیاء کے دشمنوں اور بہت سے اولیاء کرام کو دی جانے والی ایذاؤں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اپنے قارئین کو بھی اُن سے آگاہ کیا جائے تاکہ اللہ کے راستے میں لگنے والے حضرات ان سے

[1] وعظ النور مشمولہ مواعظ میلاد النبی ص ۱۵۹

سبق حاصل کر کے صبر وثبات سے کام لیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمائیے علامہ شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے یہ بات جان لو کہ جس زمانہ میں بھی کوئی بڑی ہستی گزری ہے اس زمانہ میں رزیل لوگوں میں سے ضرور کوئی نہ کوئی اُس کا دُشمن ہوا ہے اِذِ الْاَشْرَافُ لَمْ تَزَلْ تُبْتَلٰی بِالْاَطْرَافِ کیونکہ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ بڑے لوگ گھٹیا قسم کے لوگوں سے آزمائے جاتے رہے ہیں، چنانچہ

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا دُشمن ابلیس ہوا۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کے دُشمن حام وغیرہ ہوئے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے دُشمن جالوت اور اس کے ہم مثل لوگ ہوئے۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کا دُشمن صخر ہوا۔

(۵) حضرت عیسیٰ السلام کا دُشمن پہلی حیات میں (یعنی رفعِ آسمانی سے پہلے) بخت نصر تھا اور دوسری حیات میں (یعنی آسمان سے نزول کے بعد) دجال ہوگا۔

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دُشمن نمرود ہوا۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دُشمن فرعون ہوا پھر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا حتی کہ حضرت محمد ﷺ کا دور آیا۔

(۸) آپ ﷺ کا دُشمن ابوجہل ہوا۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک دُشمن تھا اس کا جب بھی آپ کے پاس سے گزر ہوتا آپ سے بیہودگی کرتا ہوا گزرتا۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نماز کے بارہ میں لوگوں نے الزام لگایا کہ یہ ریا کاری اور منافقت کرتے ہیں۔ایک دفعہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ دُشمنوں نے آپ کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس سے آپ کا چہرۂ اقدس اور سر مبارک جھلس گئے چونکہ آپ نماز میں استغراق کی حالت میں تھے آپ کو کچھ پتہ نہ چلا۔جب سلام پھیرا تو پوچھنے لگے یہ میرے ساتھ کیا ہوا لوگوں نے بتلایا کہ آپ کے ساتھ تو یہ قصہ پیش آیا ہے۔فرمایا: حَسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل آپ ایک طویل مدت تک چہرہ اور سر کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا دُشمن نافع بن ازرق (خارجی) تھا جو آپ کو سخت قسم کی ایذائیں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دُشمن کوفہ کے جاہلوں میں سے کچھ جاہل تھے جو آپ کو ایذائیں

دیا کرتے تھے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے جنتی ہونے کی گواہی دی تھی، ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ کی شکایت کی کہنے لگے کہ یہ تو صحیح طرح سے نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔

(۱۳) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خلفاء (بنو اُمیہ وخلفاء بنو عباس) کی جانب سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔

(۱۴) اسی طرح حضرت امام مالکؒ نے سخت تکلیفیں اُٹھائیں۔ بنابریں آپ (اپنے گھر میں) گوشہ نشین ہوگئے اور پچیس برس تک جمعہ و جماعت کے لیے بھی گھر سے نہیں نکلے۔

(۱۵) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اہلِ عراق اور اہلِ مصر کی جانب سے تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔

(۱۶) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی سخت تکلیفیں برداشت کیں آپ کو مارا گیا۔ قید و بند سے دوچار ہوئے۔

(۱۷) حضرت امام بخاریؒ نے کس قدر تکلیفیں برداشت کیں جبکہ آپ کو بخاری سے خرتنگ کی طرف نکالا گیا۔

(۱۸) ثقہ حضرات سے (جن میں شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی، احمد بن خلکان اور شیخ عبدالغفار قوصی وغیرہم بھی ہیں) منقول ہے کہ لوگوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۶۱ھ) کو سات مرتبہ بُسطام سے وہاں کے علماء کی ایک جماعت کے واسطے سے جلاوطن کیا۔

(۱۹) اہلِ مصر نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۴۵ھ) کو مصر سے بغداد اس طرح روانہ کیا کہ آپ کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق پڑا ہوا تھا، اہلِ مصر آپ کے ساتھ ساتھ بغداد گئے یہ گواہی دینے کے لیے کہ ذوالنون مصری زندیق ہیں (العیاذ باللہ)۔

(۲۰) لوگوں نے حضرت سَمْنُوْن رحمۃ اللہ علیہ (م: قبل از ۲۹۷ھ) پر بڑے بڑے الزام لگائے اور ایک فاحشہ عورت کو رشوت دی جس کی بناء پر اُس نے دعوٰی کیا کہ سمنون اور اُس کے شاگرد اُس سے زنا کرتے ہیں اس الزام کی وجہ سے آپ پورے ایک سال تک رُوپوش رہے۔

(۲۱) لوگوں نے حضرت سہل بن عبداللہ تُستَرِیؒ (م:۲۸۳ھ) کو اُن کے شہر تُستر سے نکال کر بصرہ بھیج دیا اور بڑے بڑے فحش الزام اُن پر لگائے اور باوجود اُن کی امامت وجلالتِ شان کے اُنھیں کافر قرار دیا آپ پھر بصرہ ہی کے ہو کر رہ گئے وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲۲) لوگوں نے حضرت ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۸۷ھ) پر بڑے بڑے الزام عائد کیے اور علماء ظاہر نے محض اِن الفاظ کی بنا پر جو انہوں نے ان کی کتابوں میں پائے تھے اُن کے کافر ہونے کا فتوٰی لگا دیا۔

(۲۳) لوگوں نے بارہا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۹۷ھ) کے بارہ میں گواہی دی کہ یہ کافر ہیں پہلے آپ علمِ توحید کے بارہ میں برسرِ عام گفتگو فرمایا کرتے تھے پھر یہ حالت ہوگئی کہ گھر کے تہہ خانے میں تقریر کرنے لگے اور یہ صورتِ حال آپ کی وفات تک رہی۔

(۲۴) حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت رُوَیمؒ، حضرت سمنونؒ، حضرت ابن عطاءؒ پر سب سے زیادہ نکیر کرنے والا شخص ابن دانیال تھا، وہ ان حضرات کی بڑی بے عزتی کرتا تھا اگر کسی کو اِن کا تذکرہ کرتے سنتا تو بھڑک اُٹھتا اور اس کا رنگ بدل جاتا۔

(۲۵) لوگوں نے محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م:۳۱۹ھ) کو بلخ سے صرف اس بنا پر نکال دینے کا ارادہ کر لیا کہ انہوں نے محدثین کا مذہب اپنایا تھا کہ وہ صفاتِ باری سے متعلق آنے والی آیات واحادیث کو کسی تاویل کے بغیر اُن کے ظاہر پر محمول کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان پر اس طرح ایمان لے آؤ کہ ان کے (مفہوم ومطلب کے) علم کو اللہ کے حوالے کر دو۔ جب اہلِ بلخ نے اُنھیں نکالنا چاہا تو اُنہوں نے کہا کہ میں تو صرف اسی صورت یہاں سے نکل سکتا ہوں کہ تم میری گردن میں رسی ڈالو اور مجھے شہر کے گلی بازاروں میں گھماؤ اور لوگوں سے کہو کہ یہ بدعتی ہے ہم اسے اپنے شہر سے نکال رہے ہیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کو بلخ سے نکال دیا۔ آپ اہلِ بلخ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بلخ والو! اللہ نے تمہارے قلوب سے اپنی معرفت سلب کر لی ہے، مشائخ رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ محمد بن فضلؒ کی اس بددعا کے بعد بلخ سے کوئی صوفی نہیں نکلا حالانکہ بلخ صوفیاء کا بہت بڑا شہر تھا (سمرقند میں آپ کی وفات ہوئی)۔

(۲۶) شیخ یوسف بن حسین رازیؒ (م:۳۰۴ھ) کو رَی سے لوگوں نے نکالا اور اُن کے خلاف رَی کے صوفیاء وزہاء تک اُٹھ کھڑے ہوئے۔

(۲۷) اہلِ مکہ نے شیخ ابوعثمان مغربیؒ (م:۳۷۳ھ) کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا باوجودیکہ آپ کے مجاہدات کثیر اور علم تام تھا۔ اُنہوں نے آپ کو بہت سخت مارا اور ایک اُونٹ پر بٹھا کر آپ کو گلیوں میں گھمایا آپ بغداد چلے آئے وہیں آپ کا انتقال ہوا۔[1]

(۲۸) حضرت ابوبکر شبلیؒ (م:۳۳۴ھ) پر لوگوں نے بارہا کفر کا فتوی لگایا باوجودیکہ آپ مکمل عالم اور کثرت سے مجاہدہ کرنے والے تھے آپ کو آپ کے شاگردوں نے ایک عرصہ تک ہسپتال میں داخل کیے رکھا تا کہ لوگ آپ کا پیچھا چھوڑ دیں

(۲۹) اہلِ مغرب نے حضرت امام ابوبکر نابلسیؒ (م:) کو مغرب سے جلا وطن کر کے مصر روانہ کر دیا اور ان کے خلاف مصر کے بادشاہ کے سامنے یہ گواہی دی کہ یہ زندیق ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ انھیں اُلٹا کر کے ان کی کھال کھینچ لی جائے۔ آپ نے فوراً ہی غور وتدبر اور خشوع وخضوع کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور جلاد آپ کی کھال کھینچنے لگے۔

---

[1] نفحات الانس میں آپ کا مزار نیشاپور میں بتلایا گیا ہے۔

اس منظر سے لوگوں کے دل پھٹ گئے قریب تھا کہ وہ کسی فتنہ کا شکار ہو جاتے۔

(۳۰) ایسے ہی شیخ نُسیمیؒ (م:) کی بھی مقامِ حلب میں جلادوں نے کھال کھینچی ، اس کا قصہ یہ ہوا کہ شیخ نُسیمیؒ اہلِ حلب کو دلائل کے ذریعہ لاجواب کر دیا کرتے تھے۔ (اس پر اُنھیں غصہ تھا) اہلِ حلب نے (اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ ایک کاغذ پر) اپنے ہاتھ سے سورۂ اخلاص لکھی اور موچی کو رشوت دے کر کہا کہ یہ محبت اور قبول کا تعویذ ہے اسے جوتی کے سول میں سی دے (اس نے ایسے ہی کر دیا) انہوں نے وہ جوتی اس سے لی اور دُور کے واسطہ سے شیخ نُسیمی کو ہدیہ میں پیش کر دی اُنھیں معاملہ کا چونکہ بالکل علم نہیں تھا لاعلمی میں وہ جوتی پہن لی، پھر اِن لوگوں نے حلب کے نائب کو یہ مخبری کی کہ ہمیں بالکل صحیح ذرائع سے یہ بات پہنچی ہے کہ نُسیمی نے قل ھو اللہ احد لکھ کر اپنی جوتی کے سول میں لگا رکھی ہے (اور وہ جوتی پہن کر چلتے ہیں) اگر ہم پر یقین نہ آئے تو آپ اِن کی جوتی منگوا کر خود دیکھ لیجیے اُس نے جوتی منگوالی، اِن لوگوں نے فوراً ہی وہ کاغذ نکال کر پیش کر دیا۔ شیخ کو پتہ چلا تو انہوں نے معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا اور اپنی کوئی صفائی پیش نہیں کی اُنھیں معلوم ہو گیا کہ اس صورت میں وہ ضرور قتل کر دیے جائیں گے، مجھے اُن کے شاگردوں کے ایک شاگرد نے بتلایا کہ شیخ نے توحید کے بارہ میں اشعار پڑھنے شروع کر دیے جلاد آپ کی کھال کھینچ رہے تھے اور آپ اشعار پڑھ رہے تھے اسی حال میں آپ نے پانچ سو اشعار کہے آپ اپنے کھال کھینچنے والے کو دیکھتے تھے اور مسکرا دیتے تھے۔

(۳۰) اہلِ بجایہ نے شیخ ابومدینؒ پر زندیق ہونے کا الزام لگایا اور اُنھیں بجایہ سے مسان کی طرف نکال دیا اُن کا وہیں انتقال ہوا۔

(۳۱) ایسے ہی لوگوں نے حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کو مغرب سے نکال کر مصر دھکیل دیا اور ان کے زندیق ہونے کی گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو ان کے مکر و فریب سے بچالیا۔

(۳۲) لوگوں نے شیخ عزالدین بن سلامؒ پر کافر ہونے کا الزام عائد کیا اور باقاعدہ ان کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا اس بات کا چرچا کرنے کے لیے جو انہوں نے اپنے عقیدہ کے بارہ میں کہی تھی، مزید برآں یہ کہ ان کے خلافت بادشاہِ وقت کو بڑھکایا۔ لیکن بعد میں ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ ہوا۔ یہ بات ایمن نے اپنے رسالہ میں ذکر کی ہے۔

(۳۳) لوگوں نے شیخ تاج الدین سبکیؒ پر کفر کا الزام لگایا اور ان کے خلاف گواہی دی کہ یہ شراب خوری اور ہم جنس پرستی کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ رات کو زنار باندھتے ہیں۔ لوگ انھیں طوق اور بیڑیوں میں جکڑ کر شام سے مصر لائے شیخ جمال الدین اسنوی گھر سے نکلے شیخ سے ملاقات کی اور ان کی جان کی حفاظت کا حکم دیا۔

(۳۴) لوگوں نے میرے شیخ ابراہیم جعبری اور حسین الجا کی پر نکیر کی اور کرسیِ وعظ پر بیٹھنے سے انھیں "روک دیا" [1]

---

[1] الیواقیت والجواہر ص ۳۴ طبع بیروت

مسجد حامد کے لیے خصوصی اپیل

رائیونڈ روڈ پر زیرِ تعمیر مسجد حامد کے ہال کی چھت ڈالنے کا مرحلہ آگیا ہے۔ لینٹر کے لیے درکار میٹریل کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اہل خیر حضرات سے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی گزارش ہے۔

لینٹر کا رقبہ = 9050 فٹ

سریا 18 ٹن	3,60,000.00
بجری 4800CFT	85,000.00
ریت 2400CFT	15,000.00
سیمنٹ (700 Bags)	1,75,000.00
الیکٹرک پائپ	25,000.00
دیواریں اور بیم	2,50,000.00
مزدوری	1,30,000.00
	10,40,000.00

☆

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (ادارہ)